دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ: ۴	جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ مطابق اپریل ۲۰۱۴ء	جلد: ۹۸

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۲۰ روپئے، سالانہ -/۲۰۰ روپئے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے

بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Abul-Qasim Numani,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	تقبیل الابہامین سے متعلق بعض فقہائے احنافؒ کی ایک عبارت کی تحقیق	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۷
۳	چھینک اور جماہی کے آداب	مولانا عبداللطیف قاسمی	۲۸
۴	سیرت نبوی اور ہمارا طرزِ عمل	مولانا زاہد مکھیالوی	۳۳
۵	عصرِ حاضر میں اتحادِ امت	مولانا محمد ضمیر رشیدی	۳۸
۶	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	مولانا امداد الحق بختیار قاسمی	۴۲
۷	صحاحِ ستہ تعارف وخصوصیات	مولانا اشرف عباس قاسمی	۴۷

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اٹھ گیا ناوِک فگن، مارے گا دل پہ تیر کون

آہ کہ ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۸/مارچ ۲۰۱۴ء یوم سہ شنبہ کو گیارہ بجے دن میں جماعتِ تبلیغی کے موجودہ اکابر میں صفِ اول کے داعی ومبلغ اور عالمی شہرت یافتہ عالمِ دین حضرت مولانا زبیرالحسن کاندھلوی کا ''رام منوہر لوہیا ہسپتال'' دلی میں (جہاں وہ زیرِ علاج تھے) انتقال ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ رَحْمَةَ عبادِہِ المحسنینَ المُخْلصین.

کسی بافیض وبابرکت ہستی کا اس دنیا سے کوچ کرجانا تاریخِ عالم کا کوئی نادر واقعہ نہیں ہے، ربِ کائنات کے وہ بے شمار منتخب وبرگزیدہ بندے جنھیں ہم عقیدت ومحبت اور عظمت واحترام کے جذبۂ بے پایاں سے ''علیہ الصلاۃُ والسلام، رضی اللہ عنہ، قُدِّسَ سِرُّہٗ'' وغیرہ دعائیہ کلمات کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں، آخر ایک وقت اور ایک زمانہ میں یہ ساری بزرگ ہستیاں اسی دنیا میں تھیں، اور خالقِ ہر دوجہاں کے مقررہ قانون کے مطابق اپنی اپنی مدتِ حیات پوری کرکے عالمِ آخرت کو سدھار گئیں۔

پھر بھی دین کی غربت اور امت کی زبوں حالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کے کسی صالح ومصلح بندے اور دین کے ممتاز خادم کا کارگاہِ حیات سے رخصت ہوجانا، بلاشبہ باعثِ افسوس وحسرت ہوتا ہے؛ بالخصوص جب صورتِ حال یہ ہے کہ جانے والے کے چلے جانے کے بعد اس کی جگہ پُر ہوتی ہوئی دیکھی نہیں جاتی اور یہ احساس قوی سے قوی تر ہوتا جارہا ہے کہ خدائے

عالم الغیب کے آخری بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ”یَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الأَوَّلُ فَالأَوَّلُ وَتَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشعير لا يُبَالِيهُم اللّٰه“ (رواہ البخاری) کی طرف دنیا دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہی ہے۔

حضرت مولانا زبیر الحسن رحمہ اللہ اسی جماعتِ خیر وصلاح کی یادگار تھے، وہ ہمارے ملک کے ایک ایسے علمی و دینی خانوادہ کے رکن رکین تھے، جس کی علمی دینی اور دعوتی سرگرمیوں کا دائرۂ عمل ایشیا ہی نہیں؛ بلکہ پورا افریقہ، یورپ اور امریکہ کو محیط ہے، خود مولانا مرحوم نے اپنی زندگی اسلامی علوم کی تعلیم واشاعت اور دینی احکام کی تبلیغ ودعوت کے لیے وقف کر رکھی تھی، جس کے لیے وہ دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے میں پہنچے اور بندگانِ خدا کا ان کے خالق و مالک سے رابطہ استوار کرنے کی سعیِ مشکور کی۔

مولانا مرحوم کی شخصیت بڑی پرکشش تھی، وجاہت ونجابت ان کے چہرے بشرے سے اس طرح نمایاں تھی، جیسے چودھویں کے چاند سے لطیف وراحت خیز چاندنی! اللہ تعالیٰ نے خاندانی شرافت کے ساتھ علم وعمل کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، جماعت کے مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دلی کے شیخ الحدیث، جماعتِ تبلیغی کی امارتی شوریٰ کے رکنِ رکین بھی تھے، ریحانۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدِّس سرُّہ کی جانب سے شرفِ خلافت سے بھی ہم کنار تھے اور دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں نیازمندوں کی محبت وعقیدت کے ایسے محورومرکز تھے کہ پروانہ کی طرح ان پر نچھاور ہونے کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے، دل ودماغ میں احساسِ بڑائی پیدا کرنے والے ان سارے اسباب کے مجمع البحار اور سنگم ہونے کے باوجود تواضع وانکساری کے مکمل پیکر تھے، مسکنت اور خاکساری ان کی ادا، ادا سے جھلکتی تھی، وہ اپنے متعلقین اور عقیدت مندوں ہی سے نہیں؛ بلکہ اجنبی اور بیگانوں سے بھی محبت ویگانگت کے ساتھ پیش آتے تھے، مسلمانوں ہی سے نہیں؛ بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی کا ایسا والہانہ معاملہ کرتے تھے کہ وہ ان کا ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہوجاتا تھا، غرضیکہ ان کی مجلسِ ملاقات سے جو بھی اٹھتا اس کی زبانِ حال پر یہی ہوتا تھا۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

بندہ چونکہ طبعی طور پر سفر سے گریز کرتا ہے، اس دلی سے قریب رہتے ہوئے بھی وہاں جانے کی نوبت کم ہی آتی ہے، بس جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ میں شرکت کے لیے سال میں دو چار مرتبہ جانا ہوتا ہے، اور یہ سفر بھی بالعموم جمعیۃ دفتر تک ہی محدود رہتا ہے، کہیں اور جانے کا اتفاق نہیں ہوتا؛ اس لیے مولانا مرحوم سے ملنے کا موقع کم ہی میسر آیا، جہاں تک یاد آتا ہے، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر مختلف اوقات میں دو تین بار شرفِ نیاز حاصل ہوا اور بس، ان نادر ملاقاتوں میں بھی وہ ایسے تپاک اور گرم جوشی سے ملے، گویا عرصہ کی شناسائی ہو، پھر مولانا کا یہ معاملہ کسی تکلف و تصنع پر مبنی نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ دین کے ایک داعی ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیا تھا، اور یہی اسلامی فاضلانہ اخلاق ان کا مزاج اور طبیعت بن گئے تھے۔

مولانا مرحوم کا جسم بہت بڑھ گیا تھا اور اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے ہی سے نہیں؛ بلکہ روزمرہ کے بہت سارے امور کے انجام دینے سے معذور تھے، اس کے باوجود دین کی راہ میں طول طویل اسفار کی صعوبتوں کو پوری بشاشت سے برداشت کرتے تھے۔ امتِ مسلمہ کے بارے میں ان کی دردمندی ودلسوزی کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب وہ ربِ کریم کے آگے دست بدعا ہوتے تھے، خود تڑپتے تھے اور دوسروں کو بھی تڑپاتے تھے، امت کی صلاح وفلاح کے لیے خود بھی روتے تھے، اوروں کو بھی رلاتے تھے، اس موقع پر ان کی محویت کا یہ عالم ہوتا کہ وقت دبے پاؤں دور بہت دور چلا جاتا اور انھیں ادنیٰ احساس تک نہ ہوتا، تقویٰ وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت نے ان کی دعاؤں میں اس قدر اثر بھر دیا تھا کہ پتھر جیسے سخت دل بھی پسیجے بغیر نہیں رہتے تھے، کَثَّرَ اللّٰہُ تعالی امثالَہم۔

مختصر سوانح حیات:

جماعتِ تبلیغی کے امیر ثالث حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ، مولانا مرحوم کے والد بزرگوار اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ آپ کے حقیقی نانا تھے۔

تاریخ پیدائش اور ابتدائی تعلیم وتربیت: ۱۰/جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۰/مارچ ۱۹۵۰ء کو حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بابرکت مکان میں ولادت ہوئی، عمر

کے پانچ سال پورے ہوجانے پر مورخہ ۵/ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ نے اپنی خانقاہ رائے پور میں آپ کی ''بسم اللہ'' کرائی، حفظِ قرآن مجید کے بعد فارسی وابتدائی عربی کی تعلیم ہدایۃ النحو، وکافیہ وغیرہ تک گھر میں پائی، بعدازاں شوال ۱۳۸۵ھ فروری ۱۹۶۶ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں باضابطہ داخل ہوئے اور شرحِ جامی اور شرحِ وقایہ سے یہاں تحصیل کا آغاز کیا، پھر سال بہ سال آگے بڑھتے ہوئے شوال ۱۳۸۹ھ میں دورۂ حدیث کی جماعت میں داخل ہوئے اور صحاحِ ستہ کی تکمیل کرکے شعبان ۱۳۹۰ھ فاتحۂ فراغ پڑھی، صحیح بخاری، وصحیح مسلم کا درس مولانا محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث مظاہر علوم کے یہاں تکمیل کو پہنچا، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی مولانا محمد عاقل صاحب، ترمذی مولانا مفتی مظفر حسین صاحب اور طحاوی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ سے پڑھیں۔

سلوک: تعلیم سے فارغ ہوجانے کے بعد اپنے نانا جان ریحانۃ العصر حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت سلوک کی، اور انھیں کی زیرِ ہدایت ذکر وشغل میں مصروف ہوئے اور تقریباً آٹھ برس مشغولِ ریاضت رہ کر ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ فروری ۱۹۷۸ء یومِ جمعہ کو اجازت وخلافت سے ہم کنار ہوئے، یہ اجازت وخلافت حضرت شیخ قدس سرہ نے انھیں مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں عطا فرمائی تھی، بعد میں والدِ ماجد حضرت مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ کی طرف سے بھی انھیں خلافت واجازت حاصل تھی، تعلیم وتربیت کے بعد تبلیغی مرکز نظام الدین میں رہ کر تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے لیے اپنی زندگی وقف کردی، تقریباً بیس سال سے زیادہ بخاری شریف کا درس دیا، اور ملک وبیرونِ ملک کے سیکڑوں تبلیغی اسفار کیے، مرحوم ادھر چند سالوں سے گردہ کے عارضہ میں مبتلا ہوگئے تھے اور یہی بیماری بظاہر موت کا سبب بنی، بلاریب مولانا ''کل نفس ذائقة الموت'' کے کلی ضابطہ کے تحت موت کی آغوش میں پہنچ گئے؛ مگر اس سچائی میں بھی کوئی شک وتردد نہیں ہے کہ

ہرگز نمیرد آں کی دلش زندہ شد بہ عشق

تقبیل الابہامین سے متعلق بعض فقہائے احنافؒ کی ایک عبارت کی تحقیق

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی

ماضی قریب میں چند دوستوں نے اذان میں ذکرِ شہادتین کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کا ذکر کرتے ہوئے اپنے زعم میں انکشاف کیا کہ اس مسئلہ میں خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ اور صاحب جلالینؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے، جب یہ پروپیگنڈا زور وشور سے کیا جانے لگا تو خیال ہوا کہ مذکورہ مسئلہ متعلقہ کتب میں دیکھا جائے۔

چناں چہ! مذکورہ کتب کی مراجعت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف پروپیگنڈا ہے کہ ان حضرات کا فتویٰ ''انگوٹھے چومنے کے جواز'' کا ہے، جب کہ حقیقت اِس کے برخلاف ہے، وہ اِس طرح کہ ''حاشیہ ابن عابدین'' میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے دو کتب سے دو اقوال نقل کیے ہیں، اُن کا اپنا کوئی تجزیہ یا فتویٰ اِس جگہ مذکور نہیں ہے، اُن دونوں عبارتوں کا تجزیہ اور اُن کی حیثیت آگے آرہی ہے، ان کا طرزِ تحریر خود مبتدعین کے خلاف ایک مضبوط دلیل کی حیثیت بن رہا ہے۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کی عبارت ان کی کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' میں موجود ہے، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے بھی دو کتابوں سے دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور آخر میں ایک جملہ اپنی طرف سے بطورِ نتیجہ یا تجزیہ کے ذکر کیا ہے، اِن دونوں کتابوں سے منقول عبارتوں اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے تجزیے سے متعلق فقہاءِ کرام کی تحقیقات اور آراء آگے آرہی ہیں۔

''صاحب جلالین کا فتویٰ'' کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ جلالین ، یعنی: علامہ جلال الدین محلّی رحمہ اللہ نے ''تفسیرِ جلالین'' میں کہیں بھی ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔

البتہ ''تفسیر جلالین'' میں سورۂ احزاب کی آیت نمبر: ۵۶ کے حاشیہ میں اس موضوع پر کچھ

منقول ہے، تفسیرِ جلالین کے اس حاشیہ سے متعلق (جو ہماری ہندی مطبوعہ تفسیرِ جلالین پر مطبوع ہے) پہلی بات تو جاننے کی یہ ہے کہ یہ حاشیہ تیس کے قریب مختلف تفاسیر سے منتخب کردہ ہے؛ لیکن مُحشّی کون ہے؟ اِس بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس حاشیہ میں بہت سی جگہوں میں رطب ویابس اور غیر مستند باتیں بھی موجود ہیں؛ البتہ حواشی کے آخر میں محوّلہ تفسیر کا حوالہ مذکور رہوتا ہے۔

چناں چہ! مبحوث عنہا حاشیہ ''تفسیر روحُ البیان'' سے نقل کردہ ہے، ملاحظہ ہو:(الشیخ إسماعیل حقي البروسي رحمه الله کی تفسیر: روح البیان، سورۃ الأحزاب، رقم الآیہ:۵۶، ۷/ ۲۲۸، ۲۲۹، مطبعہ عثمانیہ) لہٰذا ! اس تیسری عبارت کے بارے میں اصل نسبت الشیخ إسماعیل حقي البروسي رحمه الله کی تفسیر: ''روح البیانؔ'' کی طرف کی جانی چاہیے، نہ کہ تفسیر جلالین کی طرف؛ چناں چہ! تفسیر روحُ البیان کے اس مقام میں بھی دو کتابوں سے استحباب کی عبارت منقول ہے، اُس کے بعد دو کتابوں سے اس عمل کے موضوع ہونے کی عبارت منقول ہے، آخر میں صاحبِ روح البیان کا اپنا کلام ہے، جو استحباب کی طرف مُشیر ہے۔

چناں چہ! ذیل میں پہلے متعلقہ کتب کی عبارات اور پھر ان پر تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

" یستحب أن یقال عند سماع الأولیٰ من الشهادة: "صلّی الله علیك یا رسول الله"، وعند الثانیة منها: "قَرَّتُ عینِي بِك یا رسولَ الله"، ثم یقول: "اللّهم مَتِّعنِي بالسمع والبصر" بعد وضعِ ظُفُرَيِ الإبهامَین علی العینین، فإنّه علیه السلام یکون قائداً له إلیٰ الجنة، کذا في "کنز العباد" اه قهستاني، ونحوُه في "الفتاویٰ الصوفیة".

وفي کتاب الفردوس: "من قبّل ظُفُرَيِ إبهامَیه عند سماعِ "أَشهد أَنَّ محمداً رسول الله" في الأذان، أنا قائدُه ومُدخِلُه في صُفوفِ الجنّة". وتمامُه في حواشي البحر للرملي عن المقاصد الحسنة للسخاوي.

وذکر ذالك الجرَّاحيُّ وأطال، ثم قال: "ولم یصِحَّ في المرفوع من کل هذا شیئٌ". (حاشیة ابن عابدین، کتاب الصلاة، باب الأذان:٦٢٨/٢، دار الثقافة والتراث، دِمَشق)

ترجمہ:(اذان میں) پہلی شہادت کے سننے کے وقت ''صلّی الله علیك یا رسول

اللہ ‘‘اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ’’قَرَّتُ عینِي بِك یا رسولَ الله ‘‘(اے اللہ کے رسول! آپ کے سبب میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی) کہنا مستحب ہے، پھر اس کے بعد دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر یہ دعا کرے: ’’اللّٰھم مَتِّعنِي بالسَمعِ وَالبَصَرِ ‘‘ (اے اللہ ! مجھے قوتِ سماعت اور بینائی کی دولت نواز دے) اس لیے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے والے کو جنت کی طرف لے جائیں گے، دیکھیے: ’’کنز العباد‘‘ اور ’’قہستانی ‘‘۔ اور اسی طرح ’’فتاویٰ صوفیہ‘‘ میں ہے۔

اور ’’کتاب الفردوس‘‘ میں ہے: ’’جس شخص نے اذان میں ’’أشھدُ أنَّ محمداً رّسولُ اللّٰہ ‘‘ سنتے وقت اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما، میں اسے لے کر جنت کی صفوں میں داخل کروں گا‘‘، اور اس بحث کی پوری تفصیل علامہ سخاویؒ کی کتاب ’’المقاصد الحسنۃ‘‘ کے حوالے سے علامہ رملیؒ کے البحر الرائق کے حواشی میں ہے۔ جراحیؒ نے اسے تفصیل سے بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ’’اس بحث میں کوئی بھی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے‘‘۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

”ذكر القهستاني عن كنز العباد أنه، يستحب أن يقول عند سَماعِ الأولىٰ من الشهادتين للنبي ﷺ صلى الله عليك يا رسولَ الله، وعند سماع الثانية: قرت عيني بك يا رسول الله، اللهم متعني بالسمع، والبصر بعد وضع إبهاميه على عينيه فإنه ﷺ يكون قائدًا له في الجنة.

وذكر الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق رضي الله عنه مرفوعاً: ”مَن مَسَح العينِ بباطن أنملة السبابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن ”أشهد أن محمدا رسول الله“، وقال: ”أشهد أن محمداً عبده ورسوله، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمدٍ ﷺ نبيّاً “، حلّتْ له شفاعَتِي اه .وكذا رُوِي عن الخضر عليه السلام، وبمثلهِ يُعمَل في الفضائل.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۰۵/۱، ۲۰۶، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: ’’قہستانیؒ نے ’’کنز العباد‘‘ سے نقل کیا ہے کہ پہلی شہادتِ رسالت کے سننے کے وقت اپنے دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھ کر ’’صلّی اللّٰہ علیك یا رسول اللّٰہ ‘‘اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ’’قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يا رسولَ اللّٰہ، اللّٰھم مَتِّعْنِيْ بالسمعِ، والبصرِ ‘‘ کہنا

مستحب ہے؛ اس لیے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے والوں کو جنت میں لے جائیں گے۔

دیلمیؒ نے ''کتاب الفردوس'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے: ''جو شخص مؤذن کی اس شہادت ''أَشْهَد أنَّ محمداً رسولُ الله'' سنتے وقت اپنی انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اسے اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا، تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے، اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے''۔

تفسیر جلالین کے حاشیہ (منقول از روح البیان) میں ہے:

''ثم إن للصلاة والتسليمات مواطن، فمنها: أن يصلي عند سماع إسمه الشريف في الأذان، قال القهساني في ''شرحه الكبير'' نقلاً عن ''كنز العباد'': إعلم أنه يستحب أن يقال عند سماع الأولىٰ من الشهادة: ''صلى الله عليك يا رسول الله''، وعند سماع الثانية: ''قرة عيني بك يا رسول الله''، ثم يقال: اللهم متعني بالسمع والبصر، بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين؛ فإنه قاعدٌ له إلى الجنة.

وحضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در ''قوت القلوب'' روایت کردہ از ابن عیینہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر ﷺ بمسجد درآمد، وابوبکر رضی اللہ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد، وگفت: قرة عيني بك يا رسول الله وچون بلال رضی اللہ عنہ از اذان فراغتی روی نمود حضرت رسول اللہ ﷺ فرمود کہ ای ابابکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روی شوق بلقای من وبکند آنچہ تو کردی خدای درگزارو گناھاں ویرا آنچہ باشد نو وکہنہ خطا وعمد ونہان وآشکارا در مضمرات برین وجہ نقل کردہ.

وقال عليه السلام: ''من سمِع إسمي في الأذان، فقبَّل ظفري إبهاميه، ومسح على عينيه لم يهم أبداً''.

قال الإمام السخاوي في ''المقاصد الحسنة'': إن هذا الحديث لم يصح في المرفوع؛ – والمرفوع من الحديث: هو ما أخبر الصحابي عن قول رسول الله ﷺ –

وفي شرح اليماني: ''ويكره تقبيل الظفرين، ووضعهما على العينين؛ لأنه لم يرِد فيه، والذي ورد فيه ليس بصحيح''.

يقول الفقير: "قد صَحَّ من العلماء تجويزُ الأخذِ بالحديثِ الضعيف في العمليات، فكون الحديث المذكور غير مرفوع لا يستلزم ترك العمل بمضمونه، وقد أصاب القهستاني في القول باستحبابه، وكفانا الإمام المكي في كتابه؛ فإنه قد شهد الشيخ السهروردي في "عوارف المعارف" بوفور علمه وكثرة حفظه وقوة حاله، وقيل جميع ما أورده في كتابه "قوت القلوب"، ملخصاً من الروح البيان. ولقد فَصَّلْنا الكلامَ وأطْنَبْنَاه؛ لأن بعضَ الناس ينازِعُ فيه؛ لقلة علمه". (حاشيةٌ مطبوعةٌ على تفسيرِ الجلالين، سوره الأحزاب، رقم الآية:٥٦، ٧٩/٣، ٨٠،مكتبة البشرىٰ وص:٣٥٧، قديمي ومنقولةٌ من تفسيرِ روحِ البيان للشيخ إسماعيل حقي البروسي رحمه الله، سورة الأحزاب، رقم الآيه: ٥٦، ٧/ ٢٢٨، ٢٢٩، مطبعة عثمانية)

ترجمہ: ''پھر دُرود وسلام کے کچھ مواقع ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اذان میں آپ ﷺ کا نامِ نامی سن کر ان پر دُرود بھیجے۔ قہستانیؒ نے ''کنز العباد'' سے نقل کرتے ہوئے اپنی ''شرح کبیر'' میں ذکر کیا ہے کہ جان لو کہ پہلی شہادت کے سننے کے وقت اپنے دونوں انگوٹھے دونوں آنکھوں پر رکھنے کے بعد ''صلى اللّٰهُ عليك يا رسولَ اللّٰه'' اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يا رسولَ الله" (اے اللہ کے رسول! میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ سے ہے) کہنا مستحب ہے، پھر اس کے بعد یہ دعا کی جائے: ''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" تو آپ ﷺ ایسا کرنے والے کو جنت میں لے جائیں گے۔

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکیؒ نے ابن عیینہؒ سے ''قوت القلوب'' میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھوں سے اپنی آنکھوں پر مسح کیا، اور کہا ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يا رسولَ اللّٰه" اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر وہ شخص جو میری ملاقات کے شوق میں وہ کلمات کہے جو تم نے کہے، اور جو فعل تم نے کیا وہ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے نئے، پرانے، خطاءً، عمداً، پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، ''مضمرات'' میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے میرا نام اذان میں سنا، پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما اور اپنی آنکھوں پر پھیرا، وہ کبھی غمگین نہیں ہوگا''۔ امام سخاویؒ نے ''المقاصد

الحسنۃ'' میں فرمایا کہ: ''یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے'' اور مرفوع حدیث وہ کہلاتی ہے جس میں صحابی اللہ کے رسول ﷺ کے کسی قول کی خبر دے۔

اور ''شرح الیمانی'' میں ہے: ''دونوں (انگوٹھوں کے) ناخنوں کو چومنا اور انھیں آنکھوں پر رکھنا، مکروہ ہے؛ اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی چیز وارد نہیں ہے، اور جو کچھ وارد ہے وہ صحیح نہیں''۔

فقیر (شیخ اسماعیل حقیؒ) کہتا ہے کہ: ''(فضائلِ) اعمال کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا جواز علماء سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، پس مذکورہ حدیث کا غیر مرفوع ہونا، اُس کے مضمون پر عمل نہ کرنے کو مستلزم نہیں۔ اور قہستانیؒ اپنی استحباب کی رائے میں درست ہیں، اور ہمارے لیے امام مکیؒ کی اپنی کتاب میں ذکر کردہ بات کافی ہے؛ اس لیے کہ شیخ سہروردیؒ نے ''عوارف المعارف'' میں ان (امام مکیؒ) کی وسعتِ علم، کثرتِ حفظ اور قوتِ حالی کی شہادت دی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں ذکر کیا ہے، وہ ''روح البیان'' کی تلخیص ہے، اور ہم نے (اس موضوع پر) کافی تفصیلی کلام کرلیا ہے؛ اس لیے کہ بعض لوگ اس مسئلہ میں اپنی کم علمی کے سبب تنازع کرتے ہیں''۔

قابلِ تحقیق اُمور

مذکورہ عبارات دیکھنے کے بعد دو اُمور قابلِ تحقیق معلوم ہوتے ہیں:

(۱)........اذان واقامت میں انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا حکم

(۲)........مذکورہ کتب میں استحباب کا قول مذکور ہونا

پہلی بحث: اذان واقامت میں شہادتین کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کے بارے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ مذکورہ عمل نہ مسنون ہے اور نہ ہی مستحب؛ بلکہ بدعت ہے۔

دوسری بحث: چند کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب کا ذکر۔ اس میں دو پہلو قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ مذکورہ ''قولِ استحباب'' کے لیے مستدل حدیث کی حیثیت۔

۲۔ اس حدیث کے ماخذ کا بیان۔

مذکورہ تینوں کتب میں جس حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے، ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' اور ''المقاصد الحسنۃ'' میں الفاظ کے قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے، ذیل میں وہ روایت ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' سے نقل کی جاتی ہے:

وذکر الدیلمي في الفردوس من حدیث أبي بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مرفوعاً: ''مَن

مسَح العين بباطن أنملةِ السبابتين بعدَ تقبيلهما عند قول المؤذن "أشهد أن محمدًا رسولُ الله"، وقال: "أشهد أن محمداً عبدُه ورسولُه، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمدٍ ﷺ نبيّاً"، حلّتْ له شفاعَتِي اه.

اور دوسری روایت جس کو بنیاد بنایا جاتا ہے، جس کی طرف علامہ طحطاویؒ نے اشارہ کیا ہے اور علامہ سخاویؒ نے اسے مکمل ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے:

عن خضر عليه السلام: أنه من قال حين يسمع المؤذن، يقول: "أشهد أن محمداً رسولُ الله" مرحباً بحبيبي، وقرة عيني محمد ﷺ، ثم يُقبّل إبهاميه ويجعلهما على عينيه، لم يرمَد أبداً.

ان میں سے پہلی حدیث کے بارے میں علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ محمد الامیر الکبیر المالکیؒ نے "لایصح" کہتے ہوئے موضوع ہونے کا فیصلہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:

(المقاصد الحسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹،ص: ۴۴۰، دارالكتب العلمية)

(الموضوعات الكبرىٰ للقاري، حرف الميم، رقم الحديث: ۸۲۹، ص: ۲۱۰، قديمي كتب خانه)

(تذكرة الموضوعات لطاهر الفتني، باب الأذان ومسح العينين فيه، ص: ۳۴، كتب خانه مجيدية، ملتان)

(النخبة البهيّة في الأحاديث المكذوبة على خير البرية،رقم الحديث: ۳۱۶، ص: ۱۷، المكتب الإسلامي)

اور پھر اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے علامہ سخاویؒ اور علامہ شامیؒ نے علامہ جرّاحیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے: "مجموعہ احادیث میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح، مرفوع حدیث نہیں ہے"، چنانچہ فرماتے ہیں: "ولم يصِحَّ في المرفوع من كل هذا شيئٌ"، **ملاحظہ ہو:**

(المقاصد الحسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹،ص: ۴۴۰، دارالكتب العلمية)

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۶۲۸/۲، دار الثقافة والتراث، دِمَشق)

اور"المقاصدالحسنہ" کی تعلیقات میں تو واضح لکھا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ مجموعہ احادیث میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح، مرفوع حدیث نہیں ہے؛ بلکہ اس عنوان سے متعلق سب مرویات موضوع اور بے سند ہیں، ملاحظہ ہو:

"وحكى الخطابي في شرح مختصرة خليل حكاية أخرٰغيرَ ما هنا وتوسع في ذٰلك ولا يصح شيئ من هذا في المرفوع كما قال المؤلف، بل كله مختلق موضوع". (المقاصد الحسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ١٠١٩، ص: ٤٤٠،٤٤١، دار الكتب العلمية)

ایک ممکنہ اعتراض کا جواب

اور اگر یہ کہا جائے کہ چلو مرفوعاً نہ سہی، موقوفاً تو بہرحال ثابت ہے، اور اتنی بات عمل کے لیے کافی ہوتی ہے، جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے "الموضوعات الکبریٰ" میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

"قلت: وإذا ثبت رفعه على الصديق، فيكفي العمل به لقوله ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين". (الموضوعات الكبرىٰ للقاري، حرف الميم، رقم الحديث: ٨٢٩، ص: ٢١٠، قديمي كتب خانه).

ترجمہ: "جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ تک صحیح ہوگیا، تو حدیثِ نبوی ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" کی وجہ سے اتنا عمل کے لیے کافی ہے"۔

ملاعلی قاریؒ کی ایک بات کی تحقیق

تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اس مقام پر ملاعلی قاریؒ سے ذہول ہوگیا ہے؛ اس لیے کہ اس "حدیث" کی تو سند ہی ثابت نہیں ہے، تو پھر اس کے موقوفاً صحیح یا ثابت ہونے کا کیا مطلب؟! یعنی یہ بات نہیں ہے کہ اگر مرفوع حدیث صحیح نہیں تو موقوف صحیح ہوگی؛ کیوں کہ یہ تو روایت ہی بے سند ہے۔

ملاعلی قاریؒ کی اس بات کے بارے میں علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"ومِن العجيب أن المؤلف لمّا نقل في الموضوعات الكبرىٰ قول السخاويؒ: "وأورده الشيخ أحمد الرّداد في كتابه: "موجبات الرحمة" بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام، وكل ما يروى في هٰذا، فلا يصح رفعه البتة"، تعقبه بقوله: "وإذا ثبت رفعه إلىٰ الصديق، فيكفي العمل به لقوله ﷺ: "عليكم

بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين"، فكان تعقبه لا معنىً له إلا الخطاء، إذ لم يصح إسناده إلىٰ أبي بكرٍ". (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۳۰۰، ص: ۱٦۹، ۱۷۰، سعيد)

ترجمہ: "عجیب بات یہ ہے کہ مؤلفؒ نے (مذکورہ حدیث کے بارے میں) موضوعات کبریٰ میں علامہ سخاویؒ کا قول نقل کیا (جس سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہوتا ہے)، اور خود ہی اس (قول ذکر کرنے) کے بعد اپنا یہ قول (جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک صحیح ہوگیا، تو حدیثِ نبوی ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" کی وجہ سے اتنا عمل کے لیے کافی ہے) ذکر کیا ہے، پس اُن کے اپنے بعد والے قول کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ اُن سے خطا ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھی سند ثابت نہیں ہے۔

علمِ حدیث میں مذکورہ روایت کی حیثیت

اور اگر کوئی اس حدیث کو "حسن" یا "ضعیف" مانے (جیسا کہ بعض اہلِ بدعت کا قول ہے: "صحیح نہ ہونے سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ "صحیح" کے بعد "حسن" کا درجہ باقی ہے، لہٰذا یہ حدیث اگر "حسن" بھی ہو تو بھی عمل کے لیے کافی ہے") تو بھی اس بات کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے؛ اس لیے کہ کتبِ ضعفاء میں یا کتبِ موضوعات میں جب کسی حدیث کے بارے میں "لا يصحّ" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد "موضوع" ہی ہوتا ہے، نہ کہ حسن یا ضعیف۔ الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے "المصنوع في معرفة الحديث الموضوع" کے مقدمہ میں اس بات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"قولهم في الحديث: "لا يصح"، أو "لا يثبتُ" ...... ونحو هٰذه التعابير إذا قالوه في كتب الضعفاء أو الموضوعات، فالمراد به أن الحديث المذكور موضوع، لا يتصف بشيئ من الصحة؛ وإذا قالوه في كتب أحاديث الأحكام، فالمراد به نفي الصحة الاصطلاحية". (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۲۷، قديمي)

بلکہ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے تو اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ صاف صاف بیان فرمادیا ہے کہ کتبِ ضعفاء میں جس حدیث کے بارے میں "لا يصح" کہہ دیا جائے، تو اس سے "حسن" مراد نہیں لے سکتے؛ بلکہ وہ حدیث باطل ہے، ملاحظہ ہو:

”إن قول النقاد في الحديث: ”إنه لا يصح“ بمعنىٰ أنه باطل في كتب الضعفاء والمتروكين، لا بمعنىٰ أنه حسن، وإن لم يكن صحيحاً، كما نص علىٰ ذٰلك أهل الشأن، بخلاف كتب الأحكام، كما أوضحت ذٰلك في مقدمة ”انتقاد المغني“. (مقالات الكوثري، حول حديثين في حديث من أحاديث رمضان،ص: ٤٢، دارالسلام)

”معجم المصطلحات الحديثیہ“ میں بھی یہی بات پوری تفصیل سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

قوله:” لا يصح“. هي لفظةٌ يستعملها المحدثون للإخبار عن عدمِ ثبوت الحديث في درجة الصحيح، فقولهم في الحديث: ”لا يصح“، أو ”لا يثبت“، أو ”لم يصح“، أو ”لم يثبُت“، أو ”ليس بصحيحٍ“، أو ”ليس بثابتٍ“، أو ”غيرُ ثابتٍ“، أو ”لا يثبت فيه شيئ“، ونحو هٰذه الألفاظ، إذ قالوها في كتب الضعفاء أو الموضوعات؛ فمرادهم بها: أن الحديث المذكور موضوع، لا يتصف بشيئ من الصحة.

وأما إذا قالوها في كتب أحاديث الأحكام؛ فمرادهم بها نفي الصحة الإصطلاحية؛ لأن فيها عدم صحة الحديث لا يلزم أن يكون موضوعاً. (معجم المصطلاحات الحديثية، حرف اللام، لا يصح، ص: ٤٤٣، مكتبة زمزم للطباعة والنشر والتوزيع، كراتشي)

محدثین اس قول” لایصح“ کوکسی حدیث کے صحیح نہ ہونے کی خبر دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں، پس محدثین ان الفاظ ”لا يصح“، أو ”لا يثبت“، أو ”لم يصح“، أو ”لم يثبُت“، أو ”ليس بصحيحٍ“، أو ”ليس بثابتٍ“، أو ”غيرُ ثابتٍ“، أو ”لا يثبت فيه شيئ“، کا استعمال جب کتبِ ضعفاء میں ہو یا کتبِ موضوعات میں ہوتو محدثین کی ان الفاظ سے مراد اس حدیث کے موضوع ہونے کو بتلانا ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اور جب محدثین ان الفاظ کا استعمال احادیث احکام کی کتب میں کرتے ہیں تو ان کی مراد اصطلاحی صحت کی نفی کی خبر دینا ہوتا ہے، کتبِ احادیثِ احکام میں ”عدمِ صحت“ موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہوتی۔

چناں چہ! معترض کی بات (صحیح نہ ہونے سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ ”صحیح“ کے بعد ”حسن“ کا درجہ باقی ہے، لہٰذا یہ حدیث اگر ”حسن“ بھی ہوتو بھی عمل کے

لیے کافی ہے) کا کسی درجہ میں بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اور مذکورہ حدیث باطل ہے۔

دوسری روایت کی تحقیق

دوسری روایت ''جو حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے'' کے بارے میں علامہ سخاوی، علامہ طاہر پٹنی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں بہت سے راوی ایسے ہیں، جو مجہول ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''وكذا ماأورده أبو العباس أحمد بن أبي بكر الرّداد اليماني المتصوف في كتابه ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة'' بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام أنه: مَن قال حين سمع ....إلخ''.

(المقاصد الحسنة للسخاوي، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹، ص: ٤٤١، دارالكتب العلمية)

(الموضوعات الكبرىٰ للقاري، حرف الميم، رقم الحديث: ۸۲۹، ص: ۲۱۰، قديمي كتب خانه)

(تذكرة الموضوعات لطاهر الفتني، باب الأذان ومسح العينين فيه، ص: ۳٤، كتب خانه مجيدية ملتان)

ابو العباس احمد بن ابی بکر الرّداد یمانی صوفی اپنی کتاب ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة'' میں حضرت خضرؑ کی منقطع روایت کو ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں بہت سارے راوی مجہول ہیں، (یعنی ان کا تذکرہ ہی کتب اسماء الرجال میں نہیں ملتا)

الغرض یہ تو اُن روایت کا حال تھا، جن سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اب ایک نظر اُن کتب پر بھی ڈال لینی چاہیے، جن میں سے یہ روایات نقل کی جاتی ہیں، یا جن کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

روایات کے مأخذ کا بیان

چناں چہ! علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ اور روایات کے مأخذ میں کنز العباد، قہستانی، کتاب الفردوس اور فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا ہے اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے کتاب الفردوس اور کنز العباد کا حوالہ دیا ہے۔

صاحب تفسیر روح البیان نے اس مسئلہ میں قہستانی اور قوت القلوب کا حوالہ دیا ہے۔

مجموعی طور پر مذکورہ تمام کتب غیر معتبر ہیں، ان کتب کے صرف وہ مسائل معتبر شمار ہوں گے، جن کی تائید دوسری معتبر کتب سے ہوجائے۔

"کنز العباد" کے بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و کذا "کنز العباد "فإنه مملوءٌ من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لا عبرةَ له، لا عند الفقهاء ولا عند المحدثين، قال علي القاري في طبقات الحنفية: "علي بن أحمد الغوري .... وله "كنز العبادفي شرح الأوراد"، قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث موضوعة لا يحل سماعها، انتهىٰ.(النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص: ۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

اوراسی طرح "کنز العباد" میں ایسے مسائل واہیہ اوراحادیثِ موضوعہ بھری ہوئی ہیں، جن کا محدثین اورفقہاء کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، ملاعلی قاریؒ "طبقاتِ حنفیہ" میں فرماتے ہیں کہ علی بن احمدالغوریؒ کی ایک کتاب "کنزالعبادفی شرح الأوراد" ہے۔ علامہ جمال الدین المرشدیؒ فرماتے ہیں: اس کتاب میں ایسی موضوع احادیث بھری ہوئی ہیں، جن کا سننا صحیح نہیں ہے۔

"الفتاویٰ الصوفية" کے بارے میں حاجی خلیفہؒ، علامہ زرکلیؒ اورعلامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

"الفتاویٰ الصوفية في طريق البهائية" لفضل الله محمد بن أيوب المنتسب إلیٰ ماجو. قال صاحب كشف الظنون: قال المولیٰ البركلي: الفتاویٰ الصوفية ليست من الكتب المعتبرة، فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، حرف الفاء: ۱۲۲۵/۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(الأعلام للزركلي، الماجورى: ۴۷/۶، دار العلم للملايين، بيروت)

(النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص: ۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

ترجمہ: "الفتاویٰ الصوفیہ فی طریقہ البہائیہ" علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب جو ماجو کی طرف منسوب ہے اوران کی وفات ۶۶۶ ہجری میں ہوئی، کی تصنیف ہے، مولیٰ برکلیؒ فرماتے ہیں: "فتاویٰ صوفیہ معتبر کتب میں سے نہیں ہے، اس میں موجود کسی مسئلہ پر اس وقت تک عمل نہیں کرنا

چاہیے، جب تک اس مسئلہ کی موافقت اصول کے مطابق صحیح نہ ہو جائے“۔

”قہستانی“ کے بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قہستانی کی کتاب ”جامع الرموز“ ہے، ان کا پورا نام شمس الدین محمد خراسانی قُہستانی ہے، انہوں نے ”کنز العباد“ سے نقل کرتے ہوئے مذکورہ مسئلہ ذکر کیا ہے،” علامہ عصام الدین ”قہستانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اپنے زمانے میں صرف کتابوں کی خرید وفروخت کرتے تھے، اور اپنے ہم عصر علماء کے درمیان نہ ہی بطورِ فقیہ مشہور تھے اور نہ ہی فقہ کے علاوہ کسی اور علم کے ماہر۔اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ہر کچی، پکی بات اور صحیح اور ضعیف بات بغیر تصحیح اور تدقیق کے جمع کردی ہے ملاحظہ ہو:

وقال المولیٰ عصام الدين في حق القهستاني: ”إنه ....لا يعرف الفقهَ ولا غيرَه بين أقرانه ويؤيده أنه يجمع في شرحه هٰذا بين الغث والسمين، والصحيح والضعيف من غير تصحيح ولا تدقيق، فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب واليابس في النيل، وهو العوارض في ذم الروافض، إلخ“. (النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص:۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

”قہستانی“ کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والقهستاني“ كجارف سيل وحاطب ليل. (تنقيح فتاوىٰ الحامدية، كتاب الحظر والإباحة: ۲/۳۵٦، حقانية .وكذا في عمدة الرعايةعلى شرح الوقاية، ص:۱۰، مكتبة إمدادية، ملتان)

ترجمہ:”قہستانی“ ہر مُحقَّق اور غیر مُحقَّق مسائل کو جمع کرنے والے ہیں۔(”جارف سیل“ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح سیلاب اپنے ساتھ ہر قسم کی خس وخاشاک کو بہالاتا ہے، اسی طرح قہستانی نے اپنی کتاب میں ہر قسم کے (معتبر اور غیر معتبر) مسائل جمع کردیے ہیں، اور”حاطبِ لیل“ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی شخص رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والا ہو، تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس قسم کی لکڑیاں چُن رہا ہے، اسی طرح قہستانی نے بھی اپنی کتاب میں ہر طرح کے مسائل جمع کردیے ہیں اور اسے کوئی خبر نہیں کہ اس نے کیسے مسائل جمع کیے ہیں، اس کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ عمدہ ہیں یا غیر عمدہ، مُحقَّق ہیں یا غیرِ مُحقَّق)

”فردوس للديلمي“ کے بارے میں امام تیمیہؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”فردوس للدیلمی“ کے مؤلف ”الحافظ شِيرَوَيُه بنِ شُهُرَدَار بن شِيرَوَيُه رحمه الله“ ہیں۔

(تاريخ الإسلام للذهبي، حرف الشين: شيرويه، ۲۱۹/۳۵، ۲۲۰،دار الكتاب العربي، لبنان)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كتاب الفردوس فيه من الأحاديث الموضوعات ما شاء الله ومصنفه شيرويه بن شهردار الديلمي وإن كان من طلبة الحديث ورواته، فإن هذه الأحاديث التي جمعها وحذف أسانيدها نقلها من غير اعتبار لصحيحها وضعيفها وموضوعها، فلهٰذا كان فيه من الموضوعات أحاديث كثيرة جداً“.

ترجمہ: کتاب الفردوس میں موضوع روایات بھری ہوئی ہیں، اس کتاب کے مصنف شیرویہ بن شہردار الدیلمی اگرچہ حدیث کی تلاش میں پھرنے والے اور حدیث روایت کرنے والے تھے؛ لیکن انھوں نے ان احادیث کو جن کو ان کی سندوں کے بغیر جمع کیا ہے، صحیح، ضعیف اور موضوع کا اعتبار کیے بغیر ہی نقل کردیا ہے، اسی وجہ سے اس کتاب میں موضوع احادیث بہت زیادہ تعداد میں جمع ہیں“۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”كتابُ الفردوس للديلمي فيه موضوعاتٌ كثيرةٌ، أجمَع أهلُ العلم على أنَّ مجرد َكونِه رواه لا يدلُّ على صحَّةِ الحديثِ“. (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۳۹/۵،الفصل الخامس، و:۱۱۰/۷، الفصل الثاني عشر، مؤسسة قرطبة)

ترجمہ: دیلمیؒ کی کتاب الفردوس میں موضوع احادیث بہت زیادہ ہیں، اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی حدیث کا محض اس کتاب میں ہونا اس کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

حافظ جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں: ”كل ما عُزِيَ لهٰؤلاء الأربعة-أي: الضعفاء للعقيلي، الكامل لابن عدي، التاريخ للبُغدادي، التاريخ لابن عساكر- أو للحكيم الترمذي في نوادر الأصول أو للحاكم في تاريخه أو لابن جارود أو للديلمي في

مسند الفردوس فهو ضعيفٌ، فليستغنِ بالعَزْوِ إليها أو إلىٰ بعضها عن بيان ضُعفه".
(جمع الجوامع، ديباجة قسم الأقوال من جمع الجوامع (الجامع الكبير): ۲۱/۱، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: "........دیلمیؒ کی مسند فردوس میں جو کچھ مذکور ہے، وہ ضعیف ہے، کسی حدیث کی نسبت کا اِس کتاب کی طرف ہونا ہی اُس (ضعیف) حدیث کے ضعف کو بیان کرنے سے مستغنی کردیتا ہے"۔

الدکتور نورالدین عتر رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس (مطلق حکم) سے مراد وہ احادیث ہیں، جو صرف انھی کتب میں مذکور ہوں، ان کے علاوہ کہیں اور مذکور نہ ہوں، یعنی: یہ حضرات اپنی کتب میں نقل کرنے والی احادیث میں متفرد ہوں، ملاحظہ ہو: "مصادرُ نصَّ العلماء علىٰ أن تفرُّدها بحديثٍ أمارةٌ علىٰ ضُعفه، قال السيوطيؒ في ديباجة كتابه الجامع الكبير: "كل ما عُزِي لهٰؤلاء الأربعة......إلخ". (منهج النقد في علوم الحديث، الباب الرابع في علوم الحديث من حيث القبول أو الرد، الفصل الثاني في أنواع الحديث المردود، مسادر الحديث الضعيف، ص: ۲۹۷، ۲۹۸، دارالفكر، بيروت)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "..........ولكنه غير مُتقِنٍ ولا يُمَيِّزُبين الصحيحِ والسقيمِ، ومِن ثَمَّ امتَلأَ كتابُه من الأحاديث الموضوعة والواهية". (بستان المحدثين للدهلوي، فارسي،ص: ۱۶۲، سعيد. ومترجم بالعربية للدكتور محمد أكرم الندوي، بحث فردوس للديلمى،ص: ۱۸۰، دارالغُرب الإسلامي)

ترجمہ: "لیکن ثقہ اور قابل اعتماد نہیں ہیں، یہ صحیح روایت اور ضعیف روایت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے، اسی وجہ سے ان کی (مذکورہ) کتاب موضوع اور بے سند احادیث سے بھری ہوئی ہے۔

مذکورہ کتب سے مسئلہ لینے کا حکم

ان کتب میں مذکور کسی مسئلہ پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والحكم في هٰذه الكتب الغير المعتبرة أن لا يُؤخَذ منها ما كان مخالفاً لكتب الطبقة الأعلىٰ، ويُتوقَّفُ في ما وُجِد فيهاما لم يدخُل ذالك في أصلٍ شرعيٍ". (النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب، ص:۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

ترجمہ: **ان غیر معتبر کتابوں (میں سے کسی مسئلہ کے لینے) کا حکم یہ ہے کہ ان میں مذکور کوئی ایسا حکم جو ان کتابوں سے زیادہ معتبر کتابوں میں موجود مسئلہ کے مخالف ہو، نہیں لیا جائے گا؛ بلکہ اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں اس وقت تک توقف کیا جائے گا، جب تک اس مسئلہ کا کسی اصلِ شرعی میں داخل ہونا نہ معلوم ہوجائے، (یعنی: دوسری معتبر کتب سے اس کے صحیح ہونے کی تصدیق نہ ہوجائے۔)**

صاحب روح البیانؒ اور علامہ طحطاویؒ کے اپنے قول کا جائزہ

اب صاحب تفسیر روح البیانؒ کی اس بات:

"يقول الفقير: "قد صحَّ من العلماء تجويزُ الأخذِ بالحديثِ الضعيفِ في العملياتِ، فكونُ الحديثِ المذكورِ غيرَ مرفوعٍ لا يستلزِم تركَ العملِ بمضمونه، وقد أصاب القهستانيُّ في القول باستحبابه"، ترجمہ: **فقیر کہتا ہے کہ: "(فضائلِ) اعمال کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا جواز علماء سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، پس مذکورہ حدیث کا غیر مرفوع ہونا، اُس کے مضمون پر عمل نہ کرنے کو مستلزم نہیں۔ اور قہستانیؒ اپنی استحباب کی رائے میں درست ہیں"**

اور علامہ طحطاویؒ کی عبارت:

"وبمثله يُعْمَلُ فِيْ فضائلِ الأعمالِ" (ترجمہ: **اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے) کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے۔**

اصول حدیث کی کتابوں میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہے کہ فضائلِ اعمال میں ان روایات کو ہی لیا جاتا ہے، جو صحیح، حسن یا ہلکے درجے کی ضعیف ہوں، جو موضوع یا شدید ضعیف ہوں، ان پر عمل نہیں کیا جاتا، اور جب اس میں تین شرائط موجود ہوں۔

فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے کی شرائط:

جمہور علماء کے نزدیک، فضائل کے باب میں ہلکے درجے کی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز

ہے؛ البتہ اس جوازِ عمل کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں،جن کو حافظ سخاویؒ نے ”القَولُ البَدِیع“میں ذکر کیا ہے،اور اگر ضعیف حدیث میں مذکورہ تین شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔موصوف فرماتے ہیں:

”سمعتُ شيخَنا ابن حجر أي العسقلاني المصري مِرَاراً ۔ وكَتبَه لي بخَطّه ۔ يقول: شَرْطُ العَمَلِ بالحديث الضعيف ثلاثةٌ: الأوّل مُتّفقٌ عليه، وهوأنْ يكونَ الضُعفُ غيرَ شديدٍ، فيَخْرُجُ مَن انفَرَدَ مِنَ الكَذّابِين والمُتهَمِين ومَنْ فَحُش غَلَطُه، والثاني:أن يكونَ مُندَرِجاً تحتَ أصلٍ عامٍ، فيخرُج ما يُخْتَرَعُ بحيثُ لا يكون له أصلٌ أصلاً، والثالث:أن لا يُعْتَقَدَ عند العَمَلِ به ثبوتُه لئلا يُنْسَبَ إلى النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم ما لم يَقُلْه. قال: والأخيران عن ابن السلام وابن دَقِيقِ العيد، والأوّلُ نَقَلَ العلائي الاتّفاقَ عليه“. (القول البديع للسخاوي، خاتمة،ص:٤٩٦، دار اليسير، المدينة المنورة)

میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ سے کئی دفعہ سنا ہے– حافظ ابن حجرؒ نے مجھے بذاتِ خود یہ شرائط لکھ کر بھی دیں– کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط اتفاقی ہے کہ ضعف،شدید نہ ہو،لہٰذا اس شرط سے وہ کذّابین،متّہمین اور فاحش الغلط رُواۃ نکل گئے،جو نقلِ روایت میں منفرد(تنہا)ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے روایت دین کے اصلِ عام کے تحت داخل ہو،اس شرط سے وہ روایتیں نکل گئیں،جو گھڑی گئی ہوں،اس طور پر کہ ان کی کوئی اصل نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ حدیث پر عمل کے وقت ثبوتِ حدیث کا اعتقاد نہ ہو؛ تاکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہوجائے، جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ فرمائی ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے مزید فرمایا کہ آخری دو شرطیں،ابن عبدالسلامؒ اور ابن دَقِیق العیدؒ سے منقول ہے،اور شرطِ اول پر علامہ علائیؒ نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے“۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں صاحب روح البیان کے قول کی حیثیت بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے؛اس لیے کہ مذکورہ شرائط ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی ہیں، نہ کہ موضوع، منقطع یا بے سند حدیث پر عمل کرنے کی۔اور یہ بات پوری تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ روایات موضوع یا بے سند ہیں نہ کہ ضعیف۔

قوت القلوب کی عبارت سے متعلق وضاحت

البتہ! صاحبِ روح البیانؒ نے جو بات ''قوت القلوب'' کے حوالے سے ذکر کی ہے، اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہم نے مذکورہ کتاب میں اپنی بساط بھر کوشش کی کہ صاحبِ روح البیان کی نقل کردہ بات ہمیں مل جائے؛ لیکن ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، پوری کتاب میں مظان اور غیرِ مظان دونوں جگہ خوب تلاش کے باوجود ہماری مطلوبہ عبارت ہمیں نہ مل سکی؛ تاہم ''صاحبِ قوت القلوب'' کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ بات بھی دیگر مباحث کی مثل بغیر سند کے مذکور ہوگی، بشرطِ موجودگی اگر ایسا ہی ہوا تو پھر اس عبارت کا جواب بھی مذکورہ تحریر میں آچکا ہے، اور اگر یہ بات سنداً موجود ہو تو جب وہ بات سامنے لائی جائے گی تو اس کا بھی جائزہ لے لیا جائے گا۔

اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کے قول "وبمثلہٖ یُعْمَلُ فِيْ فضائلِ الأعمالِ" (ترجمہ: اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے) کے بارے میں علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولاتغترَّ بقول الطحطاوي في حاشيته على مراقي الفلاح آخر باب الأذان "بعد ذكره هٰذا الحديث عن كتاب الفردوس وكذا رُوي عن الخضر عليه السلام، وبمثلهٖ يعمل في فضائل الأعمال" فهو كلام مردود بما قاله الحافظ...... وقال الحافظ ابن تيمية في منهاج السنة: إن كتاب الفردوس فيه من الأحاديث الموضوعة......إلخ. (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ١٧٠، قديمي)

ترجمہ: ''اور تو علامہ طحطاویؒ کے اس قول سے دھوکہ میں نہ پڑنا جو انھوں نے ''مراقی الفلاح'' کے حاشیے میں باب الأذان کے آخر میں ذکر کی ہے...... کہ ''فضائلِ اعمال میں اس جیسی روایات پر عمل کرلیا جاتا ہے''، پس ان کا یہ کلام رد کردیا جائے گا؛ بوجہ اس قول کے جو حافظ ابن تیمیہؒ کا ان کی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں مذکور ہے کہ کتاب الفردوس میں تو موضوع احادیث بھری ہوئی ہیں......إلخ''۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان روایات پر عمل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین اور علامہ طحطاوی رحمہما اللہ کا دفاع

اور اس بحث سے علامہ ابن عابدین اور علامہ طحطاوی رحمہما اللہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

اولاً تو اس بنا پر کہ علامہ ابن عابدینؒ کی ذکر کردہ عبارت کو دیکھا جائے کہ اس میں ان کا اپنا کوئی بھی کلام نہیں ہے، پہلے انہوں نے علامہ قہستانیؒ کا قولِ استحباب نقل کیا ہے، اس کے بعد علامہ جراحیؒ کا قول: "ولم یصِحَّ في المرفوع من کل ھذا شيئٌ" نقل کیا ہے، ان کے طرز سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث منقول نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کا استحباب والے قول کے بعد اس قول "ولم یصِحَّ في المرفوع من کل ھذا شيئٌ" کو ذکر کرنا اسی طرف اشارہ کررہا ہے۔

اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ عبارت کی بھی یہی صورتِ حال ہے کہ انہوں نے قہستانی اور کتاب الفردوس سے نقل کیا ہے؛ البتہ آخر میں ان کا اپنا قول: "وبمثلہٖ یُعمَل في الفضائل" اس کی حیثیت علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہوچکی ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے ان حضرات نے جو استحباب کا قول نقل کیا ہے، ایسا آج سے دو صدیوں قبل کیا تھا، عین ممکن ہے کہ اس دور میں بدعتیوں کے ہاں اس مسئلہ میں غلو نہ ہو؛ اس لیے انہوں نے استحباب کا حکم لگایا اور بعض نے اسے ہی آگے نقل کردیا، اور اگر اس دور میں بھی اس مسئلہ میں غلو ہوتا، جیسا کہ آج اظہر من الشّمس ہے تو یقیناً اس مسئلہ میں بھی دوسری بدعات کی طرح بدعت کا حکم لگایا جاتا۔

اور اگر بالفرض اسے مستحب ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر بھی آج کے دور میں اس پر عمل نہیں کرسکتے؛ کیوں کہ فقہ کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مستحب کام کو اس کے درجہ سے بڑھادیا جائے تو وہ کام ممنوع ہوجاتا ہے، اب! موجودہ دور میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں غور کرلیا جائے کہ اس مسئلہ کو نہ صرف سنتِ مقصودہ؛ بلکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم سمجھی جاتی ہے۔ اور ایسا نہ کرنے والے کو بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے، نہ کرنے والے کو ملامت اور لعن طعن کی جاتی ہے، اسے حنفیت کا مخالف قرار دیا جاتا ہے؛ بلکہ اس عمل کو اہل السنۃ والجماعۃ کی پہچان سمجھا جاتا ہے؛ حالاں کہ اگر یہ عمل ایسا ہی اہم اور ضروری ہوتا تو جس طرح اذان جیسا عظیم الشان امر تواتر اور قوی دلائل کے ساتھ کتبِ معتبرہ میں مذکور ہے، بالکل اسی طرح یہ عمل بھی مذکور ہونا چاہیے تھا؛ اس لیے کہ یہ عمل بھی اذان کے وقت کا ہی عمل ہے؛ لیکن اس کے برخلاف یہ عمل موضوع اور منقطع حدیث اور چند غیر معتبر کتب میں موجود ہے۔ لہٰذا اس عمل کو اس کے مرتبے سے اس طرح غلو کی حد تک بڑھا دینا بھی اس عمل کے ممنوع ہونے کے لیے کافی ہے، ملاحظہ ہو:

قال ابن منير: ”فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات، إذا رفعت عن مرتبتها...... إلخ“.(فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الانتفال والإنصراف عن اليمين: ٢/٤٣٠، قديمي)

”ابن منیرؒ فرماتے ہیں:(اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے) کہ مندوبات (یعنی: مستحبات) کو جب ان کے مرتبہ سے بلند کردیا جائے تو وہ مکروہات کے حکم میں بدل جاتے ہیں“۔

قال الطيبي:” وفيه أن من أصر علىٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب من الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعةٍ أو منكرٍ“. (شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ٩٤٦، ٢/٣٧٤، إدارة القرآن والعلوم، كراتشي)

طیبیؒ فرماتے ہیں: (اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے) کہ جو شخص کسی امرِ مندوب پر اصرار کرے (یعنی ان پر مسلسل اس طرح عمل کرے کہ وہ اس سے کبھی چھوٹنے ہی پائے) اوراس پر عمل کرنے پر (مسلسل)پُرعزم رہتا ہو،تو وہ شیطان سے اپنے حصے کی گمراہی وصول کرنے والا ہے، پس (جب مندوبات پر اصرار کرنے والے کا یہ حال ہے تو) بدعات یا منکرات پر(اسی طرح)اصرار کرنے والے کا کیا حال ہوگا ؟!“۔

(وكذا في مرقاة المفاتيح،كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ٩٤٦، ٣/٣١، رشيدية)

(وكذا في التعليق الصبيح،كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ٩٤٦، ١/٥٤٩، رشيدية)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢/٢٦٣، سهيل اكيدمي)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

اب آخر میں ہماری متعلقہ بحث جیسا ہی ایک سوال کا جواب ذکر کیا جاتا ہے، جو ایسی شخصیت کا جاری کردہ ہے، جو دیوبندیت اور بریلویت کے زمانے سے پہلے کی ہے،اور وہ ہیں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، ملاحظہ فرمائیں:

”این تقبیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ است نہ واجب ونہ سنت، مثل کنزالعباد وخزانۃ الروایات، وجامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وغیرہ؛ مگر در اکثر کتبِ معتبرہ متداولہ نشانِ آن نیست، در

آن کتب کہ درانہا این مسئلہ مذکوراست غیر معتبر اند؛ چنانکہ جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وغیرہ، ایں وجہ کہ درین کتب رطب ویابس بلاتنقیح مجتمع است، تفصیل آن در رسالہ من ''النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' موجود است، درین باب فقہاء نقل می کنند آنہا بتحقیق محدثین صحیح نیستند ....الخ''۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۵/۴، رشیدیہ)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے: ''اس انگوٹھے چومنے والے مسئلہ کو فقہ کی بعض کتابوں میں مستحب کہا گیا ہے، واجب یا سنت نہیں، مثلاً: کنز العباد، خزانۃ الروایات، جامع الرموز اور فتاویٰ صوفیہ وغیرہ (میں یہ مسئلہ مذکور ہے)، مگر اکثر معتبر کتبِ فقہ میں ایسا کوئی مسئلہ مذکور نہیں ہے، اور جن کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے، وہ کتب معتبر نہیں ہیں؛ اس لیے کہ ان کتابوں میں ہر رطب ویابس کو اس بات کی تصریح کیے بغیر'' کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی نہیں''، ان میں جمع کردیا گیا ہے، اس بات کی پوری تفصیل میرے رسالے'' النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' میں موجود ہے، اس انگوٹھا چومنے والے مسئلہ میں (ان کتابوں کے مصنّفین) فقہاء نے جو کچھ کہا ہے، محدثینِ کرام نے اسے صحیح قرار نہیں دیا''۔

مذکورہ بالا تفصیل سے متعلقہ مسئلہ پوری طرح منقح ہوکر سامنے آچکا ہے، اللہ جلَّ جلالُہٗ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں جملہ بدعات ومنکرات سے محفوظ رکھے اور اتباعِ سنت نبوی ﷺ کی توفیق مرحمت فرمائے، اور ہم سب کا خاتمۃ بالخیر کرتے ہوئے ہمارا حشر اس جماعتِ قدسیہ کے ساتھ فرمائے، جس کو دنیا میں ہی'' رضي اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ'' کا پروانہ مل گیا تھا، میری مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

❁ ❁ ❁

چھینک اور جماہی کے آداب

از: مولانا عبداللطیف قاسمی
استاذ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور آپ کے اندر روح پھونکی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً چھینک آئی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کی توفیق سے چھینک پر ''الحمدللہ'' فرمایا، چھینک آنا اچھی بات ہے، چھینک انسان کی صحت کی علامت ہے، نزلہ کے وقت نیز عام اوقات میں بھی جب چھینک آتی ہے تو انسان کا دماغ، کان اور ناک کے راستے صاف ہوتے ہیں، آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے، سر کا بوجھ کم ہوجاتا ہے، جب نومولود بچہ چھینکتا ہے تو والدین اور معالجین چھینک کو بچے کی تندرستی کی علامت سمجھ کر خوش ہوجاتے ہیں، غرض کہ چھینک انسان کی نشاط وچستی کا سبب ہے، جس سے انسان کو اعمال وطاعات نیز دنیوی کاموں میں نشاط پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

إنَّ اللّٰہ یُحِبُ العُطاسَ (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ۹۱۹/۱، ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں، (کیونکہ اعمال میں چستی ونشاط کا سبب ہوتی ہے)۔

دینِ اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اسلام انسان کو کامل واکمل بنانے کے لیے ہر چھوٹے اور بڑے ادب سے اس کو آراستہ ومزین کرتا ہے؛ چنانچہ اسلام نے انسانی ضروریات میں سے ہر ضرورت سے متعلق بہترین آداب وتعلیمات کو پیش کیا ہے، منجملہ ان کے چھینک ہے، جسے ہم معمولی چیز سمجھتے ہیں، اس کے آداب کو بھی بیان کیا ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم چھینک کے آداب کو معلوم کریں اور ان پر عمل کریں۔

چونکہ چھینک اللہ کی نعمتِ صحت وتندرستی کی علامت، چستی اور نشاط کا سبب ہے؛ اس لیے چھینک آنے پر الحمدللہ کے ذریعہ اللہ کا شکر ادا کرنے کو مستقل عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا عطس احد کم فلیقل الحمد للّٰہ (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ۹/۱ ۹۱، ۶۲۲۴)

جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للّٰہ کہے۔

سب سے پہلے انسان ہمارے دادا حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو اللہ نے آپ کی زبان سے الحمدللہ کو جاری فرماکر ساری انسانیت کے لیے ایک ادب قرار دیا، شریعت اسلامیہ نے بھی اس کو ادب؛ بلکہ مستقل سنت قرار دیا ہے۔

چھینک کے آداب

(۱) جب کسی شخص کو چھینک آئے تو الحمد للّٰہ کہے۔ (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ۱/ ۹۱۹، ۶۲۲۴) یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ کُلِّ حَال کہے (رواہ الترمذی عن ابن عمرؓ ۲/۱۰۳) دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۲) جب چھینکنے والا اپنی چھینک پر الحمد للّٰہ کہے، تو سننے والا اس کے جواب میں یرحمك اللّٰہ کہے۔ (بخاری ۱/۹۱۹، ۶۲۲۴)

(۳) یرحمك اللّٰہ کے جواب میں چھینکنے والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ، یا یَغْفِرُاللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ کہے۔ (بخاری ۱/۹۱۹، ۶۲۲۴)

(۴) چھینکنے والا چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا کم از کم ہاتھ سے ڈھانک لے (تاکہ چھینک کے وقت ناک اور منہ سے نکلنے والی ریزش سے کسی کو تکلیف نہ ہو، نیز کھانے پینے کی چیزوں میں ناک اور منہ کی رطوبات نہ گریں)۔

(۵) چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔

آپ علیہ السلام چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانک لیتے تھے اور آواز کو پست کرلیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ۲/ ۶۸۶)

(۶) محرم عورتیں چھینک کر الحمدللّٰہ کہیں تو محرم مردوں کے لیے یرحمك اللّٰہ کہنا ضروری ہے، نیز مرد محارم مرد کی چھینک کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ (ہندیہ ۵/ ۳۲۷)

چھینک کا جواب

مسلمان بھائی چھینک کر الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا یہ اس کا شرعی

حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان بھائی پر دوسرے مسلمان بھائی کے لیے چھ حقوق ہیں، جب کوئی مسلمان بھائی بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرے (۲) جب کسی مسلمان کی وفات ہوجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے (۳) اگر دعوت دے تو قبول کرے (۴) سلام کرے تو سلام کا جواب دے (۵) چھینک پر الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے (۶) مسلمان بھائی کی موجودگی اور غیرموجودگی میں اس کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ کرے۔ (مسلم۲/۲۱۳ حقوق المسلم)

جب چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو سننے والے پر یرحمك اللہ کہنا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے، (فتاوی ہندیہ میں یہی قول نقل کیا ہے) بعض علماء نے مستحب قرار دیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے، (فتاوی ہندیہ میں واجب لکھا ہے) لہٰذا چھینکنے والے کی الحمدللہ سننے والا ایک شخص ہو تو ضرور یرحمك اللہ کہنا چاہیے، اگر ایک جماعت ہو تو ان میں سے کسی ایک شخص کی طرف سے یرحمك اللہ کہنا کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ۳۴۰/۱۵)

مندرجہ ذیل مواقع میں چھینک کا جواب ضروری نہیں

(۱) جو آدمی چھینک کر الحمدللہ نہ کہے۔ (بخاری ۹۱۹/۱، ۶۲۲۵)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

إذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَإنْ لَمْ یَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَاتُشَمِّتُوْهُ (رواہ البخاری ۱/ ۹۱۹)

جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تم جواب دو اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اس کا جواب مت دو، لہٰذا جو شخص اپنی چھینک پر الحمدللہ نہ کہے وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر تھے، دونوں کو چھینک آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی چھینک پر یرحمك اللہ فرمایا دوسرے کی چھینک پر یرحمك اللہ نہیں فرمایا، اس پر دوسرے شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے اس کے لیے یرحمك اللہ فرمایا، میرے لیے نہیں فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا: اس نے چھینک پر الحمدللہ کہا؛ اس لیے وہ جواب کا مستحق ہوا، اور تم نے اپنی چھینک پر الحمدللہ نہیں کہا تو تم جواب کے مستحق نہیں ہوئے (متفق علیہ، بخاری ۹۱۹/۱)

(۲) جب آدمی تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے، تو جواب دینا ضروری نہیں ہے، چاہے تو جواب دے؛ چاہے تو جواب نہ دے۔ (رواہ ابو داود ۲/۶۸۷)

(۳) بے ایمان کی چھینک کے جواب میں یرحمك الله کہنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں:

یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی خدمت میں چھینکتے تھے (چھینک پر الحمدللّٰہ بھی کہتے) اور یہ امید رکھتے کہ آپ علیہ السلام جواب میں یرحمك الله فرمائیں گے؛ لیکن آپ علیہ السلام ان کے جواب میں یرحمك الله نہ فرماتے (اس لیے کہ وہ اپنی بے ایمانی کی وجہ سے اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں؛ لہٰذا ان کو رحمت کی دعا نہیں دی جاسکتی) بلکہ ان کے جواب میں آپ علیہ السلام یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ فرماتے (اللہ تم کو ہدایت دیں اور تمہارے احوال درست فرمائیں) (رواہ ابو داود ۲/۶۸۷)

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبات کے وقت میں جواب نہ دے (عمدۃ القاری ۱۵/۳۴۰)

(۵) اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں چھینک کر الحمدللہ کہے تو اس کا جواب بھی لازم نہیں۔ (عمدۃ القاری ۱۵/۳۴۰)

مسئلہ: اگر کسی شخص کو نماز میں چھینک آگئی اور اس نے بے اختیار الحمدللہ کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جو نمازی چھینکنے والے کے جواب یرحمک اللہ کہے، اس کی نماز فاسد ہوجائیگی (ھدایہ ۱/۱۳۵)

جماہی کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ العُطَاسَ، وَیُكْرِهُ التَثَاؤُبَ (رواه البخاری عن ابی هریرة ۹/۱ ۹۱، ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ کو جماہی ناپسند ہے، جب تم میں سے کسی کو جماہی آتی ہے اور وہ شخص منہ کھولتے ہا، ہا کہتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

جماہی زیادہ کھانے، آنتوں کے بھرجانے، نفس وطبیعت کے بوجھل ہوجانے اور حواس کی کدورت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو غفلت، سستی اور سوئے فہم کا سبب بنتی ہے، نیز جماہی کے وقت انسان کا چہرہ طبعی حالت پر باقی نہیں رہتا ہے، جس کی وجہ سے شیطان خوش ہوجاتا ہے کہ

انسان کی طبعی حالت بھی متغیر ہوئی، نیز اب یہ انسان طاعات واعمال اور دیگر ضروری امور میں سستی اور کاہلی کا شکار ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھر جماہی نہیں آئی ہے، جس کی صراحت مصنف ابن شیبہ کی روایت میں موجود ہے، نیز علامہ خطابیؒ نے مسلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کسی بھی نبی کو جماہی نہیں آئی۔ (فتح الباری ۱۰/۷۱۵)

فَامَّالتثاؤُبُ فَإنَّما هُوَمِنَ الشَّيطَانِ فَإذَا تَثاوَّبَ أحَدُكُمُ فَلْيَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ (بخاری ۹۱۹/۱)

جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو دفع کرے، (جبڑوں کو مضبوطی سے دبالے، اگر بے قابو ہو جائے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا تَثَاوَبَ أحَدُكُمُ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهٖ عَلىٰ فَمِهٖ، فَإنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ (رواہ مسلم ۴۱۳/۲ باب العطاس)

جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے؛ اس لیے کے شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے، (لہٰذا منہ پر ہاتھ رکھے)

علماء نے لکھا ہے کہ اگر انسان تلاوت، دینی گفتگو وغیرہ میں مشغول ہو اور جماہی آجائے تو جماہی کو مکمل طور سے بند ہو جانے کے بعد تلاوت کرے، جماہی کے وقت ہا، ہا، کرتے ہوئے تلاوت، دینی باتیں اور ضروری باتیں نہ کرے۔

❁ ❁ ❁

سیرت نبوی اور ہمارا طرزِ عمل

از: مولانا زاہد مکھیالوی
جامعہ فلاحِ دارین الاسلامیہ بلاسپور، مظفرنگر

سیدالکونین خاتم الانبیا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر وفات تک، بچپن، جوانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑھاپا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت، آپ کا معاشرہ، آپ کے عقائد، آپ کے اخلاق، آپ کا رہن سہن غرض یہ کہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر گوشہ کا نام سیرت ہے۔ عقل وفہم اور دینی شعور رکھنے والے کسی بھی مسلمان پر یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ انسانی زندگی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ذات میں بہترین نمونہ ہے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۲۱) اللہ کے رسول میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ نیز امتِ مسلمہ کے لیے آپ کی بے پایاں شفقت ومہربانی اور مسلمانوں کی خیروفلاح کے لیے قلبی تڑپ اور جہد مسلسل کے وقیع مضامین سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد باری ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ ۱۲۸)

ترجمہ: تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول تشریف لائے ہیں، ان پر تمہاری تکلیف بھاری ہے اور وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں اور ایمان والوں پر نہایت شفیق ومہربان ہیں۔

اسی شفقت ومہربانی کے تعلق سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

ان النبی ﷺ تلا قول اللّٰہ تعالیٰ فی ابراهیم: رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَ قال عیسیٰ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ

اللّٰھمّ أمتی أمتی وَ بَکیٰ فقال اللّٰہ تعالیٰ یا جبرئیل اذھب الیٰ محمد وَربُّك اَعْلَمُ فَسُئَلُه مَا یُبْکِیْكَ فاتاہ جبرئیل علیه السلام فساله فاخبرہ رسول اللّٰہ ﷺ بما قال وھو اَعْلَمُ فَقَالَ اللّٰہ تعالیٰ یا جبرئیل اِذْھَبُ الیٰ محمد فقل اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیِ اُمتك ولا نَسُوئُكَ (رواہ مسلم) ۱/ ۱۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی رب انھن الخ (کہ میرے پروردگاران بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوگئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں، پس ان کے لیے تو میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو ہی بخش دے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ الخ یعنی اے اللہ اگر آپ میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں (یعنی آپ کو عذاب وسزا کا پورا حق ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا اے میرے اللہ! میری امت، میری امت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ محمد کے پاس جاؤ؛ اگرچہ تمہارا رب سب خوب جانتا ہے؛ مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو کہ ان کے رونے کا سبب کیا ہے؟ پس جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو وہ بتلادیا جو اللہ سے عرض کیا تھا یعنی اس وقت میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے۔ جبرئیلؑ نے جاکر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ نے جبرئیلؑ کو فرمایا کہ محمد کے پاس جاؤ اور ان کو ہماری طرف سے کہو کہ تمہاری امت کے بارے میں ہم تمہیں راضی اور خوش کردیں گے، اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِعَائشَةَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِھَا وَمَا اَسَرَّتْ وَمَا اَعْلَنَتْ۔ یہ دعا سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں تک ہنسیں کہ ان کا سر آپ ﷺ کی گود کی طرف جھک گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھ کو میری دعا نے خوش کردیا، عرض کیا حضرت! آپ کی دعا کیوں خوش نہ کرتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدا کی قسم! یہی میری دعا میری تمام امت کے لیے ہر نماز کے بعد ہوتی ہے۔(مجمع الزوائد ج ر ۹ص ر۲۴۴)

یہ امت کے فکروغم اور خیر خواہی کے جذبات سے معمور پیغمبرانہ مزاج تھا جو ہمہ وقت آپ کو مضطرب و بے چین رکھتا تھا، اور یہ سلسلۂ شفقت ومہربانی صرف دنیا کی فانی زندگی تک محدود نہیں بلکہ محشر کے میدان میں بھی، جب ہر انسان ہی نہیں بلکہ ہر نبی نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، کرب وابتلاء کے عین موقع پر بھی زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر''امتی امتی'' جاری ہوگا ،اورآپ دیگرانسانوں کے ساتھ ساتھ اپنی امت کے حق میں خصوصی شفاعت فرمائیں گے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت سے اس قدر محبت و پیار کا تعلق اور ہم مسلمانوں کا سنتِ نبوی سے اعراض یقیناً یہ انتہائی تشویشناک اور تکلیف دہ ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے، جس نبی کو اسوہ بنا کر مبعوث کیا گیا، اس نبیِ رحمت نے زندگی کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا؛ بلکہ کامل ومکمل طریقہ سے تمام شعبوں میں زبانی عملی ہر طرح سے اور ہر سطح سے رہبری فرمائی۔ خواہ ان اُمور کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے یا معاشرت واخلاقیات سے ،زندگی کا ہر مرحلہ اس آفتابِ نبوت کی پاکیزہ ومقدس روشنی سے منوراور روشن ہے، ہماری سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ہم بے عملی کا شکار ہیں، رذیل دنیا کی حرص وطمع کے دبیز پردوں نے ہمیں پوری طرح سے ڈھانپ رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ منزل کی صحیح سَمت معلوم ہونے کے باوجود ہم اس پر چلنے سے عاجز وقاصر رہتے ہیں،شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا محاسبہ خود کریں، اپنی عبادتوں کا جائزہ لیں ہماری نمازیں پیغمبر کی نماز سے میل کھاتی ہیں یا نہیں۔ زکوٰۃ اور رمضان شریف کے روزوں، حج بیت اللہ اور دیگر عبادتی کاموں میں ہم اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو کتنا ملحوظ رکھتے ہیں ۔ اسی طرح معاملات کو دیکھیں کہ اس میں ہم کس حد تک پیغمبرانہ اسوہ کو اختیار کیے ہوئے ہیں، یا غیروں کے بنائے ہوئے اُصول اوران کے بے برکت طریقے اختیار کرتے ہیں، معاملات کی صفائی وشفافیت کے متعلق نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات پر ہمیں کتنا اعتماد ہے، اخلاق و معاشرت کے پہلو سے بھی ہم اپنے طرزِ عمل پر نظر ڈالیں ،اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری خصلتیں اورمزاج کتنا متاثر ہے۔

حرص وطمع، کینہ وحسد، حبِ جاہ، حبِ مال، عجب وریا، کذب وخیانت، غرور وگھمنڈ، غصہ اور بخل جیسی خسیس اور گھٹیا عادتوں سے ہم عملی طور پر کتنی نفرت کرتے ہیں اور اخلاقِ عالیہ تواضع و انکساری توبہ واستغفار، انس ومحبت، زہدوتوکل صبروشکر، حلم وبردباری، صدق واخلاص، احسان و رضا، شرم وحیا، ہمدردی ورحم دلی، جیسے بلنداوصاف سے ہماری طبیعت کتنی مانوس ہے اور وقت آنے پر ان دو متضاد راہوں میں سے ہم کس راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنی معاشرتی زندگی کا بھی جائزہ لیں اور بہت سنجیدگی سے محاسبہ کریں کہ قبیلہ وخاندان اعزا، واقربا، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور گزربسر کے سب طریقے ہمارے اچھے ہیں؟ اپنی بستی ومحلّہ اور گھروں میں محبت وموانست کی فضا ہے، یا نفرت وبیزاری کا ماحول ہے؟ خوش مزاجی، بڑوں کی عزت وعظمت، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت، ماتحتوں کے ساتھ حسنِ سلوک ورواداری، لوگوں کی خطا ولغزش معاف کرنا کمزوروں کی مدد کرنا مہمانوں کی ضیافت، بھوکوں کو کھانا کھلانا ،مظلوموں کی مدد اور ہر شخص کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرنے میں ہماری زندگی کا کتنا حصہ گزرا کہ جس کی بنیاد پر معاشرہ میں آدمی ایک محترم اور بلند کردار انسان کہلانے کا حق دار ہوجاتا ہے، یہ بلند کرداری غیروں میں بھی اس کو باعزت مقام دیتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنا بھی محاسبہ کریں اور اپنے اہل وعیال کا بھی جائزہ لیں، آج ہمارے بچوں کو موبائل فون، ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعہ کرکٹ کھیل کی معلومات، کھلاڑیوں کے نام اور مختلف صوبوں، ملکوں میں کھیلے گئے میچوں کا رکارڈ، فلموں کی اسٹوریاں وغیرہ خوب یاد رہتی ہیں۔ اگر یاد نہیں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات اوران کی سیرت یاد نہیں، اس میں یقیناً بنیادی طور پر قصور ہمارا ہے۔

ہمیں خود سیرتِ طیبہ کا پتہ نہیں، اس سے یکسر غفلت ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے نہ تو احوال ہمیں یاد ہیں اور نہ جاننے کی فکر ہے؛ البتہ زبانی محبت کا دعویٰ خوب ہوتا ہے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعوذ باللہ کوئی خبیث النفس شرارت کردے تو ہمارا خون کھولنے لگتا ہے، ضرور کھولنا چاہیے اور اس پر جتنا بھی غصہ آئے کم ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہم نے خود کیا تعلق قائم کررکھا ہے۔ ہماری زندگی سنتوں سے کس قدر معمور ہے، ہمیں اس کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے بچوں

کے اندر نبی علیہ السلام کی سیرت کا کتنا چرچا ہوتا ہے، ہمارے گھروں میں سنتیں کتنی زندہ ہیں؟

اس کا سہل و مجرب طریقہ یہ ہے کہ صبح بیدار ہونے سے سونے تک روزمرہ کی دعائیں یاد کی جائیں، بچوں کو بھی یاد کرائیں، اس موضوع کی اُردو، ہندی مختلف زبانوں میں کتابیں بازار میں ملتی ہیں، ان کو ہم پڑھیں، اپنے اہل وعیال میں سنائیں، اسی سے ایک ماحول بنے گا اور سنتوں پر عمل کا داعیہ پیدا ہوگا، انشاء اللہ ہماری سیرت وصورت، عادات واخلاق سنتوں کے پاکیزہ رنگ میں رنگین ہوجائیں گے اور زندگی کے ہرموڑ اور ہر مرحلہ میں ہم پیارے نبی کی سیرت طیبہ کو اپنا اسوہ بناکر زندگی گزاریں تو بلاشبہ دونوں جہاں میں سرخ روئی کا باعث ہوگا، اور اس کے صالح اثرات نہ صرف یہ کہ ہماری زندگیوں میں ہی ظاہر ہوں گے؛ بلکہ ہماری نسلوں کو بھی اس کا فائدہ پہونچے گا، انشاء اللہ۔

اللہ رب العزت ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازے اور اپنی عارضی وفانی زندگی کے ہرمرحلہ میں سنتِ نبوی کو پیشوا بنانے کے لیے ہمیں منتخب فرمائے کہ سیرت طیبہ کا اصل یہی پیغام ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت وتعلق اور ایمانی جذبہ کا یہی تقاضہ ہے اور اسی میں فلاحِ دارین ہے۔

❁ ❁ ❁

عصرِ حاضر میں اتحادِ امت

از: مولانا محمد ضمیر رشیدی، ناگپور

دل، جگر، کان، آنکھ، دماغ اور دیگر جسمانی اعضا کی اہمیت وافادیت سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح وسالم نہ ہوتو انسانی زندگی کس حدتک مجبور و بے بس اور لاچار ہوجاتی ہے گوکہ ان اعضاکے کام الگ الگ ہیں؛ تاہم ان میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے، جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور محال ہے، مثلاً سر میں درد ہوتو دوا کے لیے پاؤں چل کر جاتے ہیں، آنکھ آنسو بہاتی ہے، زبان اسے بیان کرتی ہے، دل ودماغ اسے محسوس کرتے ہیں، ہاتھ دوا پلانے میں مددگار ہوتے ہیں، وغیرہ۔ اگر ان اعضا و جوارح میں یہ مقابلہ آرائی شروع ہوجائے کہ کون قیمتی، کون اعلیٰ، کون بہتر، کون افضل ہے تو ظاہر بات ہے کہ جسم میں فساد پھوٹ پڑے گا اور پھر ایسے جسم کا خدا حافظ! اس جسم کے بے شمار تقاضے ہیں، مثلاً غذا، پانی، ہوا، نیند، راحت و سکون وغیرہ۔ اگر انسانی جسم کے یہ تقاضے بروقت پورے نہ ہوں تو انسانی زندگی کی نشو ونما اور قیام وبقا خطرے میں پڑ جائے۔

ٹھیک اسی طرح اسلام کے بیشمار تقاضے ہیں، مثلاً مساجد، مدارس، خانقاہوں کی تعمیر وتوسیع اوران کے انتظامات، دارالقضاۃ کا قیام؛ تاکہ طاغوت سے مکمل طور پر بچا جاسکے، قرآن مجید، حدیث شریف اور دیگر دینی کتابوں کی طباعت واشاعت، مسلمانوں کے عائلی قوانین میں حکومت کی مداخلت پرروک، بیوہ و مطلقہ کے نکاحِ ثانی کا انتظام، فسادزدگان اور قدرتی آفات میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی بازآبادکاری، جیل میں قید بے قصور مسلمانوں کی رہائی کے لیے کوششیں، دینی واسلامی تعلیمات سے دور مسلمانوں میں ایمان ویقین اوراعمالِ صالحہ کی بنیادی محنت، غیرمسلموں تک ان کی اپنی مادری زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی تدوین واشاعت، وغیرہ۔ یہ فہرست بہت طویل ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ ان سارے امور و تقاضوں کو امتِ مسلمہ کے

بے شمار افراد، تنظیمیں وتحریکیں، جماعتیں، حلقے اور گروہ جزوی طور پر انجام دے رہے ہیں؛ چنانچہ ان میں سے کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے ہر ہر کام اور ہر ہر تقاضے کو کما حقہ پوری طرح انجام دیے جاسکے۔ ان کے لیے اس لیے زیادہ بہتر اور قابلِ عمل صورتِ حال یہی ہے کہ اپنے ذوق وشوق، رغبت وصلاحیت، طاقت وقوت اور حوصلہ وہمت کے مطابق، فنا فی اللہ وفنا فی الرسول کے جذبہ کے تحت، ان تقاضوں کو انجام دیں، اگر سارے تقاضوں کی طرف توجہ کی جائے گی تو ایک ہوگا نہ دوسرا۔ یہی امت میں اتحاد کی ممکن صورت بھی ہے۔۔ ان کے لیے مزید ضروری ہے کہ رمز وایماء اور اشارہ وکنایہ میں بھی ایک دوسرے کی طرف طعن وتشنیع، بے جا تنقید، تنقیص، تقابل، تفاخر وغیرہ سے آخری حد تک پرہیز کیا جائے کہ یہ چیزیں امت کے اتحاد کے لیے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔ دوسروں کی محنتوں اور خدمات کا اعتراف ہو۔ نیز جو کوئی جس کام کا اہل ہو اسے وہ کام کرنے دیا جائے۔ اور جس کسی کے اندر کسی مخصوص کام کو بجالانے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ اس سے دور ہی رہے تو بہتر ہے کہ اس سے دوہرا نقصان ہے، ایک کام کے بگڑنے کا اور دوسرا کسی قابل شخص کی صلاحیتوں کے عدمِ استعمال کا۔ ایک دوسروں کو جوڑ کر رکھیں، اور سب سے آسان یہ ہے کہ خود سب سے جڑ جائیں۔ ان کے لیے مزید ضروری ہے کہ امت کے وسائل، مثلاً افرادی قوت، پیسہ روپیہ وغیرہ کا استعمال بڑی خوبی وعمدگی کے ساتھ حسبِ ضرورت کریں کہ ان کا ضرورت سے زیادہ استعمال کا مطلب اسلام کے دوسرے تقاضوں کے لیے وسائل کی کمی کی صورت میں ہی ظاہر ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ مختلف تقاضوں کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے امت کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔ جس طرح انسانی جسم کے کسی عضو کا کمزور یا ناقص ہوجانا دوسرے اعضا کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی کسی تنظیم کا کمزور ونحیف ہونا خود بخود دوسری تنظیموں کو کمزور بناتا ہے۔ الغرض تنظیموں، تحریکوں وغیرہ کا وجود ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔

اتّحاد کے لیے ضروری ہے کہ عصبیت سے پوری طرح بچا جائے۔ علاقہ، نسل، رنگ، ملک، قوم، وطن، زبان، خاندان، حسب ونسب وغیرہ کی بنیاد پر گروہ بندی ہی عصبیت ہے۔ اگر کسی فرد یا گروہ کی کسی تقریر، تحریر یا عمل سے عصبیت کی بو آئے تو اسے فوری طور پر روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایک آدمی کی شورش بھی بڑی چیز ہے۔ دیا سلائی کی ایک سلائی پوری دنیا کو جلاسکتی ہے، ٹھیک اسی طرح ایک انسان بھی پوری دنیا میں فتنہ برپا کرسکتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ عصبیت

سے پوری طرح بچا جائے نیز ہر حال میں اتحاد کو قائم و دائم رکھا جائے؛ کیوں کہ یہ ایسی اجتماعی ضرورت ہے، جس کے بغیر کسی بھی خاندان وقوم کی بقاوترقی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اتحاد کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ عصبیت ہے، یہ جذبات کو منفی سمت میں پروان چڑھاتی ہے۔ یہ اندھی ہوتی ہے، یہ عقل کو ماؤف اور مفلوج کرتی ہے، یہ تفریق اور بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے،اس کی پکار جاہلیت کی پکار ہے۔ عصبیت اتحاد کی ضد ہے، جہاں عصبیت ہوگی، وہاں اتحاد قائم نہیں رہ سکتا۔ بالفاظ دیگر، جہاں اتحاد ہوگا، وہاں عصبیت کا گزر نہیں ہوسکتا۔ عصبیت کو چھوڑے بغیر امت میں اتحاد کی آرزو اور تمنا رکھنا ایسا ہی فضول ہے، جیسا کہ مشرق کی سمت میں سفر کرنا اور مغرب میں پہنچنے کے خواب دیکھنا۔ عصبیت، اتحاد کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ پیارے آقا حضرت محمد ﷺ نے سخت الفاظ میں اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے؛ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو عصبیت پر مرا وہ جہالت پر مرا اور جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں۔ اتحاد ہی سب سے بڑا اصول ہے اور سب سے بڑی بے اصولی آپس کا تفرق۔ اتحاد زندگی ہے اور نا اتفاقی موت۔ اتحاد ترقی کی اولین شرط ہے۔ اور نا اتفاقی بربادی کا پہلا زینہ۔ متحد رہیں گے تو زمانہ ٹھوکر میں ہوگا اور منتشر ہوں گے تو زمانہ کی ٹھوکر میں ہم ہوں گے۔ یہی تاریخ کا سب سے بڑا سبق ہے؛ مگر شاید تاریخ کا یہی سب سے بڑا سبق ہے، جسے مسلمانوں نے سب سے زیادہ بھلا رکھا ہے۔ آج بھی وہ آپس میں ایسی بری طرح برسرپیکار ہیں، جیسے انھوں نے اپنے ماضی سے کچھ سیکھا ہی نہیں۔ پیارے آقا ﷺ نے عصبیت کی ساری دیواروں کو گراتے ہوئے کالے گورے، عربی عجمی، چھوٹے بڑے، بادشاہ غلام، کے فرق کو مٹا کر عرب کے ابوبکر، حبشہ کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان؛ وغیرہ کی مخفی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر نہ صرف رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا؛ بلکہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بھی استعمال کر کے انسانیت کے باغ کو سینچ کر نوعِ انسانی کو ایک خاندان میں تبدیل کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا تھا؛ مگر ہم امتیوں کا حال یہ ہے کہ عصبیت کا طوق غلامی گلے میں ڈال کر امت کے شیرازہ کو بکھیرتے ہوئے اپنے سے قریب لوگوں کو دور کر کے انسانیت کو خانہ درخانہ تقسیم کرتے ہوئے، اللہ کے بندوں کو اس کے خالق و مالک سے دور کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ شاید اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے آقا کی منشا اور اس کے غلاموں کے کاموں میں اس سے زیادہ تضاد کہیں نہیں۔

قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں بڑی کثرت سے اتحاد کو قائم رکھنے اور آپسی خلفشار و انتشار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے؛ مگر ان سب کے باوجود بھی خلفشار و انتشار عام مرض ہے اور امت کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے اور عصبیت کے روگ کی بو ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی روشن آیتیں اور پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اب ہمارے علم کا حصہ نہیں رہیں؛ بلکہ وہ ہمارے ذہن کے گوشے میں معلومات کے درجہ میں باقی ہیں، ورنہ کیا عجب ہے کہ وہ ہماری عملی زندگی کا حصہ نہیں، بعض لوگ ہمارے انتشار کو اغیار کی سازشوں کا حصہ قرار دے کر اپنی غلطی سے پہلوتہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس میں اغیار کی ریشہ دوانیاں شامل حال ہیں تب تو یہ بات ثابت ہوئی جاتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے؛ مگر ہم اپنی ایمانی فراست و بصیرت کو کام میں نہ لاسکے، جس کے لیے ہم خود ذمہ دار ہیں؛ بلکہ زیادہ صاف لفظوں میں اگر کہہ دیا جائے تو یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنے گناہوں کے لیے شیطان کو ذمہ دار ٹھرائے۔ بعض لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اغیار اپنے باطل افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے امت مسلمہ کے افراد کو عورت، دولت وشہرت، جاہ ومنصب اور حکومت و سیاست کی لالچ دے کر امتِ مسلمہ کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اسے بھی درست مان لیا جائے تب بھی قصور ہمارا اپنا ہی سامنے آتا ہے کہ ہم نے اپنے افراد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت، جنت کا شوق، جہنم کا خوف اور آخرت میں خدا کے حضور جوابدہی کا احساس پیدا کرنے میں بری طرح ناکام ہوگئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

مسلمانوں کی اسلام سے دوری اور دنیا پرستی پر ایک فکر انگیز مضمون

از: مولانا امداد الحق بختیار قاسمی
استاذ دار العلوم حیدر آباد

انسان کی مادّہ پرستی اور ظاہر بینی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ حقائق کو فراموش کر بیٹھا، ہر انسان زیادہ سے زیادہ وسائلِ عیش وعشرت کے حصول میں سرگرداں اور پریشان نظر آتا ہے، دنیوی ترقی کے لیے دور دراز کے سفر طے کیے جاتے ہیں، اس دنیا کی ہمہ ہمی، شوروغل اور مسائل سے حقیقت پس منظر میں چلی گئی، انسان اپنے مقصدِ حیات کو یکسر بھول بیٹھا اور وسائل کو مقاصد کا درجہ دے کر اس کے پیچھے زندگی کھپا رہا ہے، آج کسی فردِ بشر کا ذہن اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ آخر دنیا میں اس کا وجود کیوں ہوا، خالق نے اسے کیوں پیدا کیا؟ کیا اس کی تخلیق کا صرف یہی مقصد ہے کہ وہ دنیا میں کمائے کھائے، پُرعیش زندگی گزارے، بیوی بچوں کے ساتھ موج ومستی کرے، شاندار بنگلوں میں رہے، نئی نئی ماڈل کی گاڑیوں میں گھومے، بینکوں میں اس کا بھاری بیلنس (Balance) ہو، روز نئی نئی پارٹیوں اور محفلوں میں شرکت کرے اور خوب خوب مزے اڑائے۔

یومِ حساب سے غفلت

آج اتنی بے فکری سے زندگی بسر کی جارہی ہے، جیسے اس کا یقین ہو کہ مرنا ہی نہیں ہے، قیامت تک عالمِ برزخ میں اپنے اچھے بُرے اعمال کے مطابق رہنا نہیں ہے، یا قیامت نہیں آئے گی، حساب وکتاب کے مراحل نہیں آئیں گے؛ جبکہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن جب بارگاہِ خداوندی میں حساب کے لیے پیشی ہوگی، تو انسان کے پاؤں اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے؛ جب تک اس سے پانچ

باتیں نہ پوچھ لی جائیں: (۱) زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں میں گزاری؟ (۲) جوانی کے بارے میں کہ کن مشاغل میں فنا کی؟ (۳) مال ودولت کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا؟ (۴) اور کہاں خرچ کیا؟ (۵) اور جو کچھ جانتا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟''۔(سنن الدارمی، باب من کرہ الشھرۃ والمعرفۃ،رقم الحدیث: ۵۳۹)

دولت کی ہوس

آخرت میں صرف دو ہی ٹھکانے ہوں گے ''جنت یا جہنم''، پہلی منزل اللہ کے صالح اور متقی بندوں کے لیے ہے اور دوسری نافرمانوں، گنہ گاروں اور غفلت میں زندگی میں بسر کرنے والے بد نصیب لوگوں کے لیے ہے، اس کے باوجود ہمیں اس حوالے سے کوئی فکر نہیں، اگر فکر ہے، تو صرف دولت اکٹھی کرنے کی اور شہرت حاصل کرنے کی اور اپنی دولت وثروت کے ذریعہ معاشرہ میں مصنوعی عزت حاصل کرنے کی؛ جب کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال ودولت کی فراوانی اکثر وبیشتر انسان کو بغاوت وسرکشی، بہت سی برائیوں نیز گناہوں پر ابھارتی ہے اور اصل مقصدِ زندگی سے غافل اور لاپرواہ کر دیتی ہے، حضور پاک ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں اس کا بہت زیادہ ڈر اور خطرہ تھا؛ اس لیے آنحضرت ﷺ نے امت کو اس خوشنما فتنہ سے آگاہ فرمایا؛ تاکہ امت اس کے برے اثرات اور خطرات سے بچنے کی کوشش کرے اور مال ودولت کی ہوس میں اصل مقصد زندگی کو فراموش نہ کر بیٹھے، حضرت عمرو بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''خدائے پاک کی قسم مجھے تمہارے بارے میں فقر وناداری کا اندیشہ نہیں ہے، ہاں مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے کہ تم پر دنیا وسیع کر دی جائے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جس طرح انھوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا پھر وہ تم کو برباد کرے، جس طرح ان کو برباد کر دیا۔(صحیح البخاری، باب الجزیۃ والموادعۃ ... رقم الحدیث: ۲۹۸۸)

اسلامی تعلیم وتربیت سے دوری

ہمیں اسلامی طرزِ معاشرت اختیار کرنے میں عار محسوس ہوتی ہے، اپنے بچوں کو دین کا داعی اور اسلامی سرحدوں کا سپاہی بنانے میں نہ جانے کونسا خوف ستاتا ہے، آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہم علمِ دین سیکھنے سے گریز کرتے ہیں، اپنے بچوں اور بچیوں میں دینی تعلیم کو فروغ

نہیں دیتے؛ کیوں ہم صرف عصری تعلیم کے اعلیٰ کورسیز اور ممتاز ڈگریوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں؟ جب کہ ان کالجز اور یونیورسٹیز میں صرف تعلیم ہے، تربیت اور اخلاقیات کا کوئی پہلو ہی نہیں؛ بلکہ معاف کریں، ان میں سے چند فحاشی کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں، جہاں آرٹس کے نام پر نیم برہنہ لڑکیاں اور لڑکے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسٹیج پر رقص کرتے ہیں اور ایسے ایسے پروگرام پیش کرتے ہیں کہ مارے حیا کے جانور کی بھی گردن جھک جائے، تعلیمی ٹورز کے دوران جب جوان لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی ساتھ چوبیس (۲۴) گھنٹے گزارتے ہیں، تو کیا کچھ برائیاں اور غلط کاریاں وجود میں نہ آتی ہیں؟!!

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر ❁ کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

اسلام میں مضمر ہے مسلم کی فلاح

انسانیت کی فلاح صرف اسلامی تعلیم و تربیت میں مضمر ہے، اگر اسلامی تعلیمات کی مکمل اتباع کی جائے، تو دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی کامرانی ہوگی، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

”مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ“ (سورۃ النحل، آیت:۹۷)

ترجمہ: جو شخص کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو، تو ہم اس شخص کو (دنیا میں تو) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں، ان کا اجر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی پالن ہار ہے

اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تفسیری کتابوں کے مطابق ”رب“ اس ذات کو کہتے ہیں، جو کسی چیز کو وجود بخشے اور تدریجی طور پر اسے کمال تک پہونچائے اور وجود و کمال کے مناسب لوازمات اس کے لیے مہیا کرے؛ اسی لیے ہمارا عقیدہ کہ جو اللہ ہمارا خالق ہے، وہی رازق بھی ہے؛ چناں چہ اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے:

”وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ“ (سورة الهود، آيت:٦)

ترجمہ: روئے زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور

اللہ ان کے زیادہ رہنے کی جگہ اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ہر چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں آسمان اور زمین کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی'' (صحیح مسلم، باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام، رقم الحدیث: ۲۶۵۳)

اور حضور ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش سے پہلے مختلف ادوار سے گزرتا ہے، جب اس کے اعضاء کی تکمیل ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو حکم فرماتے ہیں جو اس کے مطابق چار چیزیں لکھ دیتا ہے:

(۱) اس کا عمل جو کچھ وہ کرے گا (۲) اس کی عمر کے سال، مہینے، دن اور منٹ حتی کہ سانس تک لکھ لیے جاتے ہیں (۳) اس کو کہاں مرنا ہے اور کہاں دفن ہونا ہے (۴) اس کا رزق کتنا ہے اور کس طریقہ سے پہنچنا ہے''۔(صحیح مسلم، باب کیفیة الخلق الآدميّ، رقم الحدیث: ۲٦٤۳)

حلال وحرام کا امتیاز اٹھ گیا

جب یہ بات طے ہوچکی کہ کتنا رزق ملے گا، تو اب اس کے لیے بے جا دوڑ دھوپ، اتنی کہ فرائض وواجبات میں خلل ہو، حلال وحرام کی حدود باقی نہ رہیں، نہ احکامِ خداوندی کا پاس ولحاظ رہے اور نہ حقوقِ عباد ہی ادا ہوں، یہ کونسی عقل کی بات ہے، ایسے لوگوں کے حق میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان سخت الفاظ میں بددعاء فرمائی ہے ''ان پر خدا کی لعنت ہو اور اللہ جل شانہ کی رحمت سے وہ دور ہوں'' حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لُعِنَ عَبدُ الدِینارِ ولُعِنَ عبدُ الدرهمِ'' (صحیح ترمذي، باب ماجاء في أخذ المال، رقم الحدیث: ۲۳۷٤) ترجمہ: دنیا کا پجاری خدا کی رحمت سے دور کیا جائے اور درہم کا پجاری خدا کی رحمت سے دور کیا جائے، اس کے باوجود آج تحصیلِ دولت کی راہ میں حلال وحرام کا کوئی فرق باقی نہ رہا، دورِ حاضر کا انسان اس تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا کہ جو مال وہ کمارہا ہے، جو روزی وہ کھارہا ہے اور جس پیسے سے وہ اپنے بچوں کی پرورش کررہا ہے، وہ حلال ہے یا حرام؟ اس طرح کے سنگین حالات کی حضورِ اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں پیشین گوئی فرمائی ہے: آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''يَأتِيُ عَلى الناسِ زمانٌ لا يُبالِي المَرءُ ما أَخَذَ مِنهُ أَمِنَ الحَلالِ أَمْ مِنَ الحرامِ''

(صحيح البخاري، باب من لم يبال من حيث كسب المال،رقم الحديث:١٩٥٤)ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی کہ اس کی آمدنی کیسی ہے: حلال ہے یا حرام؟

حرام مال ہی کا ایک اہم شعبہ سود ہے، آج سود کی وبا اتنی عام ہوچکی ہے کہ شاید وباید ہی کوئی اس کے برے اثر سے محفوظ رہ سکا ہو، حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں: "لَعَنَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ آكِلَ الرباءِ ومُوكِلَه، وكاتِبَه وشاهِدَيْهِ وقال: هُمْ سَواءٌ" (صحيح مسلم، باب لعنِ آكل الربا وموكله، رقم الحديث: ١٥٩٨) ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے پر سود کھلانے والے پر اور سودی معاملہ لکھنے والے پر اور سودی معاملہ کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی اور آپ نے یہ بھی فرمایا: وہ سب گناہ میں برابر ہیں، آج کے لادینی نظامِ معیشت میں ایسی صورتِ حال لوگوں کو درپیش ہے کہ سود کی لعنت سے بچنا انتہائی مشکل ہوچکا ہے، ایسے بدترین حالات میں ایک صاحبِ ایمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دامن کو اس گندے ماحول سے بچا کر چلے، اسی کا نام تقوی ہے، جس پر بے پناہ بشارتِ خداوندی ہیں۔

محاسبۂ نفس

مسلمانوں کو اپنے شب وروز کے معمولات، اپنی تجارت وکاروبار، اپنے اہل وعیال کا طرزِ زندگی اوران کی تعلیم وتربیت، اپنے گھر کے احوال، اپنی گفتار وکردار، عادت واطوار، رہن سہن، لین دین، خوشی وغم اور تمام دینی ودنیوی امور میں غور وفکر کرنا چاہیے کہ اسلام کے کتنے مطابق اور کتنے مخالف ہیں، اس سے کتنے قریب اور کتنے دور ہیں، موت، قبر، قیامت، حشر ونشر، حساب وکتاب، جزاوسزا اور جنت ودوزخ کا استحضار کرنا چاہیے اور اللہ پاک کا یہ ارشاد ہر وقت پیشِ نظر رہنا چاہیے، "وَاتَّقُواْ يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ" (سورة البقرة، آیت:۲۸۱) ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی پیشی میں لائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

❁ ❁ ❁

صحاحِ ستّہ
تعارف وخصوصیات
(قسطِ دوم)

از: مولانا اشرف عباس قاسمی
استاذِ دارالعلوم دیوبند

اغراضِ مؤلفین صحاح ستہ

صحاح ستہ کے مؤلفین کی اغراض تالیف مختلف رہی ہیں:

امام بخاریؒ کی غرض تالیفِ احکام اور استنباطِ مسائل ہے، بعض مرتبہ استنباط اس قدر دقیق ہوتا ہے کہ روایت اور ترجمۃ الباب میں مطابقت کے لیے دقتِ نظری سے کام لینا پڑتا ہے۔ امام بخاریؒ بسا اوقات پوری حدیث ایک جگہ نہیں نقل کرتے؛ بلکہ مختلف مواقع پر اس کے وہی ٹکڑے ذکر کرتے ہیں جس سے وہاں حکم مستنبط ہو رہا ہے۔ امام بخاریؒ کے تراجم آپ کی دقت نظر اور تفقہ کی ترجمانی کرتے ہیں؛ اس لیے مشہور ہے: فقه البخاری فی تراجمه خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کے قائم کردہ تراجم کے سلسلے میں کہتے ہیں:

"سبّاق الغايات وصاحب الآيات في التراجم لم يسبق به أحد من المتقدمين ولم يستطع أن يحاكيه من المتأخرين فكان هو فاتح لذلك الباب وصار هو الخاتم"
(مقدمہ فیض الباری ۱/۳۵)

ترجمہ: اہداف تک سب سے پہلے پہنچنے والے اور تراجم قائم کرنے میں عجیب کمالات کے مالک ہیں، نہ تو متقدمین میں سے کوئی اُن پر سبقت کرسکا اور نہ متاخرین میں سے کوئی آپ کا نہج اختیار کرسکا، گویا آپ ہی اس دروازے کو وا کرنے والے اور خود ہی اس سلسلے کو ختم کردینے والے ہیں۔

فائدہ: "فقه البخاری فی تراجمه" (امام بخاریؒ کی فقہ ان کے تراجم میں ہے) کے دو مطلب ذکر کیے گئے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مسلک اور فقہی رجحان ان کے

تراجم سے آشکارا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام بخاریؒ کی دقتِ نظری اور ذکاوت ان تراجم سے واضح ہوتی ہے۔ یعنی فقہ یا تو اپنے معروف معنی میں ہے یا ذکاوت اور دقتِ نظری کے معنی میں ہے؛ چنانچہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

”فقه البخاری فی تراجمه، ولهذا القول عند شيخنا محملان، الأول أن المسائل التي اختارها من حيث الفقه تظهر من تراجمه، والثانی أن تفقهه وذكاء ه ودقة فكره يظهر فی تراجمه“ (معارف السنن ۱/۲۳)

امام مسلمؒ کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے؛ چنانچہ وہ ایک موضوع کی حدیث کو اس کے تمام صحیح طرق کے ساتھ ایک جگہ مرتب شکل میں جمع کردیتے ہیں، استنباط سے ان کی کوئی غرض متعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ اپنی کتاب کے تراجم ابواب بھی انھوں نے خود قائم نہیں کیے؛ بلکہ بعد کے لوگوں نے حواشی میں بڑھائے ہیں۔ ہمارے موجودہ ہندوستانی نسخے میں قائم کردہ عنوانات امام نوویؒ ہیں۔

امام نسائیؒ کا مقصد زیادہ تر عللِ اسانید بیان کرنا ہے؛ چنانچہ وہ احادیث کی عللِ خفیّہ پر ”هذا خطأ“ کہہ کر متنبہ کرتے ہیں۔ پھر وہ حدیث لاتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہو، اس کے ساتھ استنباطِ احکام پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے۔

امام ابوداؤدؒ کا وظیفہ مستدلاتِ ائمہ بتلانا ہے: اس لیے وہ ان احادیث کو تمام طرق کے ساتھ یکجا ذکر کردیتے ہیں، جن سے کسی فقیہ نے کسی بھی فقہی مسئلہ پر استدلال کیا ہو؛ اس لیے وہ امام مسلمؒ کی طرح صحیح احادیث کی پابندی نہیں کرسکے؛ البتہ ”قال أبوداؤد“ کے عنوان سے وہ ضعیف اور مضطرب احادیث پر کلام کرنے کے بھی عادی ہیں۔

امام ترمذیؒ کا مقصد اختلافِ ائمہ کو بتلانا ہے؛ اس لیے وہ ہر فقیہ کے مستدل کو جداگانہ باب میں ذکر کرکے ان کا اختلاف نقل کرتے ہیں۔ ہر باب میں عموماً صرف ایک حدیث لاتے ہیں اور باقی احادیث کی طرف وفی الباب عن فلان وفلان کہہ کر اشارہ کردیتے ہیں۔

امام ابن ماجہؒ کا طریقہ امام ابوداؤدؒ کے مشابہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس میں صحیح اور سقیم ہر طرح کی احادیث آگئی ہیں۔ (دیکھیے: مقدمہ درس ترمذی ۱/۱۲۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے؟ یہ بات ترمذی سے معلوم

ہوگی۔اس کے بعد جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو، وہ وظیفہ ابوداؤد کا ہے۔اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا؟ یہ وظیفہ بخاریؒ کا ہے کہ وہ استنباطِ مسائل کا طریقہ دکھلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں۔اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہوگئے اور دلائل سامنے آگئے تو ان دلائل کی تقویت کے لیے اسی مضمون کی دوسری حدیث کی بھی ضرورت ہوتی ہے، یہ کمی امام مسلمؒ پوری کرتے ہیں، اب آدمی مولوی ہوجاتا ہے۔ اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے؛ تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے، اس کے اندر کوئی علت تو نہیں، اس کا تعلق نسائی سے ہے۔اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہوجاتی ہے، اب اس کو چاہیے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں؛ کیوں کہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائیؒ ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے؛ لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کیے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے، اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے؛ کیوں کہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے، انھی اغراض کے پیشِ نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی“ (سراج القاری، ج۱، مقدمہ الکتاب، ص:۵۳)

شرائط مؤلفین صحاح ستہ

صحاح ستہ کے مؤلفین نے کہیں یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ان کے پیشِ نظر کیا شرائط ہیں، بعد کے محدثین نے ان کی مُصنَّفات اور ذکر کردہ روایات کو دیکھ کر شرائط کا استنباط کیا ہے۔علامہ زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں:

ہماری معلومات کے مطابق شرائطِ ائمہ پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ (م۳۹۵ھ) ہیں، جنھوں نے ایک جزء تالیف کیا اور اس کا نام رکھا ”شروط الأئمة فی القراء ة والسماع والمناولة والإجازة“ (تعلیق شروط الائمة الخمسة مطبوع مع سنن ابن ماجہ ص۷۳)

البتہ اس موضوع پر حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی (م۵۸۴ھ) کی ”شروط الأئمة الخمسة“ اور حافظ ابوالفضل ابن طاہر مقدسی کی ”شروط الأئمة الستة“ کلیدی حیثیت رکھتی

ہیں، ان میں بھی اول الذکر کوئی اعتبار سے ثانی الذکر پر فوقیت حاصل ہے۔

مؤلفین اصولِ ستہ کی شرائط کو سمجھنے سے پہلے رواۃ کے طبقاتِ خامسہ سے واقفیت ضروری ہے؛ چنانچہ علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں: اوصاف کے لحاظ سے رواۃ پانچ طرح کے ہیں:

(۱) کثیر الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ للشیوخ: جس کا حافظہ اور اتقان بڑا قوی ہو اور مشائخ کی مصاحبتِ طویلہ اسے نصیب ہو، جیسے یونس بن یزید ایلی، اور زہری کے شاگرد مالک ابن عیینہ اور ابن ابی حمزہ۔

(۲) کثیر الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ: ضبط اور اتقان تو مضبوط ہوں؛ لیکن شیخ کی زیادہ مصاحبت نصیب نہ ہوئی ہو۔ جیسے امام ابوعبدالرحمٰن اوزاعی فقیہ شام، لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب۔

(۳) قلیل الضبط کثیر الملازمۃ: مشائخ سے طویل مصاحبت رہی ہو؛ لیکن حافظہ قوی نہ ہو، جیسے جعفر بن برقان، اسحاق بن یحییٰ اور سفیان بن حسین۔

(۴) قلیل الضبط قلیل الملازمۃ: یعنی حافظہ بھی کمزور اور مشائخ سے زیادہ ربط بھی نہ ہو، جیسے ربیعہ بن صلاح اور مثنیٰ ابن الصباح۔

(۵) قلیل الضبط وقلیل الملازمۃ ہونے کے ساتھ مطعون بھی ہو، یعنی اس پر وجوہ طعن میں سے کوئی طعن ہو، جیسے عبدالقدوس شامی۔

امام بخاریؒ رُواۃ کے طبقاتِ خمسہ میں سے صرف پہلے طبقہ یعنی قوی الضبط کثیر الملازمۃ سے روایت لیتے ہیں اور کبھی تائیداً دوسرے طبقہ سے بھی لے لیتے ہیں۔ امام مسلمؒ پہلے دو طبقوں کو بلا تکلف لاتے ہیں اور تیسرے طبقے کو بھی تائید کے لیے لے آتے ہیں۔ باقی یعنی چوتھے اور پانچویں درجے کے راوی کو ترک کردیتے ہیں۔ امام ابوداؤد ابتدائی چاروں طبقات رواۃ کی روایت لیتے ہیں اور طبقۂ خامسہ سے روایت کی تخریج نہیں کرتے ہیں۔ امام نسائیؒ اول، ثانی اور ثالث کی روایات لیتے ہیں، جب کہ امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ پانچوں قسم کے رواۃ کی روایات ذکر کرتے ہیں؛ لہٰذا بخاری کا مرتبہ اول، مسلم کا مرتبہ ثانی، نسائی کا ثالث، ابوداؤد کا رابع، ترمذی کا خامس اور ابن ماجہ کا سادس قرار پائے گا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: إن البخاري یخرج فی المتابعات من الثانیة، فقلیلاً جدًا من الثالثة تعلیقًا او ترجمة أیضاً، ومسلم یخرج من الثانیة فی الأصول

ومن الثالثة فى المتابعات، وأصحاب السنن يخرجون من الثالثة أيضاً فى الأصول، — انتهى ملخصا— (هدى الساري ١٢، ١٣، دارالحديث القاهرة)

ترجمہ: امام بخاریؒ متابعات میں طبقۂ ثانیہ سے روایت لاتے ہیں، اور تعلیق یا ترجمہ کے طور پر شاذ ونادر طبقہ ثالثہ سے بھی اخذِ روایت کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ اصول میں طبقۂ ثانیہ اور متابعات میں ثالثہ سے اخذ روایت کرتے ہیں؛ جب کہ اصحابِ سنن اصول میں بھی طبقۂ ثالثہ سے روایت کی تخریج کرتے ہیں۔

ان اربابِ صحاح کی اختیار کردہ مذکورہ بالا شرطوں کے علاوہ جو عمومی شرطیں ہیں، وہ سب کے یہاں متفق ہیں۔ مثلاً اسلام، عقل، صدق، عدمِ تدلیس اور عدالت وغیرہ۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”والمراد بهذه الشروط أنهم لا ينزلون فى رواية الأحاديث عنها، فيروون ما هو أعلى مما شرطوا، وكثيرا مّا يقال باعتبار كثرة الملازمة وقلتها، إن فلاناً قوي في فلان، وإن فلاناً ضعيف فى حق فلان وإن كان هو ثقة فى نفسه، ويرجع ذلك إلى أسباب، فظهر أن الضعف قسمان: ضعف فى نفسه وضعف فى غيره“ (معارف السنن ١/ ٢٠)

ترجمہ: شرائط سے مراد یہ ہے کہ اربابِ صحاح، احادیث کی روایت میں ان سے نیچے نہیں اترتے، اور اپنی شرط سے اعلیٰ سے اخذِ روایت کرتے ہیں۔ بہت سی مرتبہ کثرتِ ملازمت اور قلت ملازمت کو بنیاد بنا کر کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں، فلاں کے سلسلے میں قوی ہے اور فلاں فلاں کے سلسلے میں ضعیف ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہو اور اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضعف دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ ضعف جو خود راوی کی ذات میں ہوتا ہے اور ایک وہ ضعف جو غیر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

صحاح ستہ کی درجہ وار ترتیب

صحت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر صحیح بخاری ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ ابوعلی حسین بن علی نیشاپوری (م ۳۴۹ھ) کے قول ”ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم“ (روئے زمین پر مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے) کی

توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ صحیح مسلم کی اصحیت کو مستلزم نہیں؛ کیوں کہ اس میں مسلم کے مقابلے میں زیادتِ صحت کی نفی کی گئی ہے، تو ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں کتابیں صحت میں مساوی درجہ رکھتی ہوں۔ (نزہۃ النظر ص ۷۰، دارالکتاب)

جہاں تک تعلق ہے امام شافعیؒ کے اس قول کا "لا أعلم بعد کتاب اللہ عز وجل أصحّ من موطأ مالك" تو یہ صحیحین کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، جیسا کہ حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح بعض مغاربہ مثلاً ابن حزم (م ۴۶۵ھ) سے صحیح بخاری پر صحیح مسلم کی افضلیت کا جو قول نقل کیا گیا ہے، یا مسلم بن قاسم قرطبی کی طرف جو یہ قول منسوب ہے "لم یضع أحد مثل صحیح مسلم" (تدریب ۱/۹۵)

ان سب کا تعلق حسنِ ترتیب سے ہے؛ کیوں کہ امام مسلمؒ کی ترتیب بہ نسبت امام بخاریؒ کی ترتیب کے، زیادہ عمدہ ہے، وہ ایک مضمون کی تمام احادیث کو جملہ طرق کے ساتھ ایک ہی جگہ ذکر کردیتے ہیں۔ غرضیکہ کسی سے صراحت کے ساتھ یہ منقول نہیں کہ وہ صحت کے اعتبار سے بخاری پر مسلم کی تفضیل کے قائل ہوں، اور بالفرض اگر ان حضرات کا مقصد اصحیت کے اعتبار سے مسلم کی ترجیح ہو تو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بہ قول خود شاہد وجود اور حقیقت حال سے ان کی تردید ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ صحت کا مدار تین امور پر ہے: (۱) اتصال سند (۲) ثقاہت رواۃ (۳) شذوذ وعلت سے حفاظت۔ اور مذکورہ بالا تینوں امور کے لحاظ سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ (نزہۃ النظر ۷۱-۷۴)

جہاں تک اتصال سند کا تعلق ہے، تو اس اعتبار سے بخاری اس معنی کر راجح ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک صحت کے لیے محض معاصرت اور امکانِ ملاقات کافی نہیں ہے؛ بلکہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات - خواہ ایک بارہی - کا ثبوت ضروری ہے؛ جبکہ امام مسلمؒ امکان ملاقات اور معاصرت کو کافی سمجھتے ہوئے غیر مدلس کے عنعنہ کو اتصال پر محمول کرتے ہیں، اگرچہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان حقیقتاً ملاقات ثابت نہ ہو۔

رواۃ کی ثقاہت اور ضبط وعدالت کے لحاظ سے بھی صحیح بخاری راجح ہے؛ چنانچہ بخاری کے متکلم فیہ رواۃ کی تعداد، صحیح مسلم کے متکلم فیہ رواۃ کی تعداد سے کافی کم ہے۔ تنہا بخاری کے رجال ۴۳۵ ہیں، جن میں متکلم فیہ رجال تقریباً اسّی ہیں۔ اور جن رواۃ سے تنہا امام مسلمؒ نے روایت لی ہے، ان کی تعداد

چھ سوبیس (۶۲۰) ہے۔ جن میں متکلم فیہ رُواۃ کی تعداد ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہے۔ (فتح المغیث ۱/۶۳)

اسی طرح شروطِ ائمہ کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام بخاریؒ رواۃ کے طبقۂ اولیٰ سے روایت لیتے ہیں؛ جبکہ امام مسلمؒ بلاتکلف طبقۂ ثانیہ کی بھی روایت لیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ثالثہ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

تیسری صفت یعنی شذوذ وعلت سے محفوظ ہونے کے اعتبار سے بھی بخاری کو فوقیت حاصل ہے؛ کیوں کہ بخاری ومسلم کی جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے وہ کل دوسو دس (۲۱۰) احادیث ہیں، جن میں سے صرف بخاری کی اسّی سے بھی کم ہیں (تدریب الراوی ۱/۹۳)

اور بتیس (۳۲) احادیث میں بخاری ومسلم دونوں شریک ہیں۔ باقی جتنی احادیث ہیں وہ تنہا مسلم میں ہیں (اِمعان النظر: ۵۷)

خلاصہ یہ کہ جمہور علماء ومحدثین کے نزدیک اصحیت کے اعتبار سے پہلا مقام صحیح بخاری کا ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے؛ البتہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابن ملقنؒ کے بہ قول بعض حضرات متاخرین دونوں میں برابری کے قائل ہیں۔ وہ ایک کی دوسرے پر فوقیت تسلیم نہیں کرتے، اس طرح صحیحین کے سلسلے میں یہ تیسرا قول قرار پائے گا۔

”قال ابن المقلن: رأيت بعض المتأخرين قال: إن الكتابين سواء، فهذا قول ثالث. وحكاه الطوفي في شرح الأربعين، ومال إليه القرطبى“ (تدریب الراوی ۱/۹۶)

صحیح مسلم کے بعد مرتبۂ ثالثہ میں سنن ابوداؤد ہے، چوتھا مرتبہ سنن نسائی کا ہے؛ لیکن علماء کی ایک جماعت نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے۔ نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے۔ ان چاروں کے بعد جامع ترمذی کا نمبر ہے؛ اس لیے کہ اس کے اندر ضعیف احادیث بھی ہیں۔ بعض حضرات ترمذی کو مسلم کے بعد تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں؛ لیکن وہ احادیث کے ضعف پر تنبیہ بھی کردیتے ہیں، ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے؛ کیوں کہ اس میں صحت کا وہ اہتمام نہیں جو ائمہ خمسہ کے یہاں ہے۔

مذاہب ائمۂ ستہ

امام بخاریؒ کا مذہب فقہی:

امام بخاریؒ کے مسلک کے سلسلے میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) اکثر حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد مطلق ہیں۔ امام بخاریؒ کے قائم کردہ تراجم وابواب سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ کسی خاص فقہی مسلک کے پابند نہیں تھے۔

(۲) تاج الدین سبکیؒ نے ''الطبقات الشافعیۃ'' میں، نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے ''ابجد العلوم'' (۳/ ۱۲۷) میں اور کئی شافعی محدثین نے امام بخاریؒ کو مسلکاً شافعی قرار دیا ہے۔

لیکن اس رائے پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے سخت نقد کیا ہے۔ (دیکھیے فیض الباری ۵۳/۱، معارف السنن ۲۱/۱)

(۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری مجتہد منتسب إلی الامام الشافعی ہیں، یعنی وہ امام شافعیؒ کے مقلد نہیں؛ بلکہ مجتہد ہیں؛ البتہ ان کا اجتہاد امام شافعیؒ کے اجتہاد کے موافق ہوا کرتا ہے۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص۸۶)

(۴) علامہ قسطلانیؒ کے بہ قول امام بخاریؒ ظاہرِ حدیث کے مقلد ہیں۔

(۵) حافظ ابن قیم اور ان ابی یعلی کی رائے میں امام بخاری حنبلی ہیں۔ (الامام ابن ماجہ و کتابہ السنن ۱۲۶)

امام مسلمؒ کا مذہب فقہی:

امام مسلمؒ کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں:

ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام مسلمؒ شافعی ہیں (دیکھیے: کشف الظنون ۱/ ۵۵۵)

حافظ ابن قیم اور ابن ابی یعلی حنبلی کے بہ قول امام مسلم حنبلی ہیں۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے بعض شواہد کی روشنی میں امام مسلم کو مالکی مانا ہے (الامام ابن ماجہ:۱۲۴)

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''وأما مسلم فلا أعلم مذهبه بالتحقيق'' (العرف الشذی ۱/ ۳۳، بیروت) ''یقینی طور پر مجھے امام مسلم کے مسلک کا علم نہیں۔''

اس کی وجہ بہ ظاہر یہی ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ابواب قائم نہیں کیے، جس سے کہ ان کے رجحانات کا پتہ چلتا۔

امام ابوداؤدؒ کا مذہب فقہی:

علامہ ابن تیمیہ نے ابوداؤد کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے (مجموع الفتاویٰ: ۲۰/ ۴۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے میں ابوداؤد، مجتہد منتسب الی أحمد واسحاق بن

راہویہ، اورتاج الدین سبکیؒ کے مطابق وہ شافعی المسلک ہیں؛ لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد حنبلی ہیں۔ علامہ کشمیریؒ اور شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ کی بھی یہی رائے ہے؛ چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

والذي تحقق لي أن ابا داؤد حنبلي بلاريب، لا ينكر ذلك من أمعن النظر فی سننه. (مقدمہ لامع الدراری ۱/۹۱)

''میری تحقیق کے مطابق امام ابوداؤد بلاشبہ حنبلی ہیں اور جو بھی ان کی سنن پر گہری نگاہ ڈالے گا وہ اس کا انکار نہ کرسکے گا۔''

امام ترمذیؒ کا مذہب فقہی:

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بہ قول، امام ترمذی مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں۔

(۲) علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے واضح طور پر انھیں شافعی قرار دیا ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''وأما الترمذي فهو شافعی المذهب لم يخالفه صراحةً إلا فی مسئلة الإبراد'' (فیض الباری ۱/۵۳) ''امام ترمذی، مسلکاً شافعی ہیں۔ انھوں نے صرف ابراد بالظہر کے مسئلے میں امام شافعیؒ کی صراحتاً مخالفت کی ہے۔''

امام نسائیؒ کا مذہب فقہی:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کو شافعی قرار دیا ہے۔ (بستان المحدثین اردو، ص ۱۸۹)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی اسی کے قائل ہیں (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۲۵۴)

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: اگرچہ مشہور یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں؛ لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ حنبلی ہیں۔ ''وأما ابوداؤد والنسائی فالمشهور أنهما شافعيان ولكن الحق أنهما حنبليان'' (العرف الشذی ۱/۳۳)

امام ابن ماجہؒ کا مذہب فقہی:

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بہ قول ابن ماجہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں (الانصاف ص ۸۶)

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''وأما ابن ماجه فلعله شافعی'' (العرف الشذی ۱/۳۳)

اختلافِ اقوال کا سبب:

اربابِ صحاح کے فقہی مسالک میں اختلافِ اقوال کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی تحریروں میں

کہیں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد ہیں یا مجتہد مطلق؛ البتہ ذکر مسائل اور استنباطِ احکام میں ان حضرات کے رجحانات اور قائم کردہ ابواب کو دیکھ کر مختلف حضرات نے مختلف آرا، قائم کی ہیں۔ اور چوں کہ ارباب صحاح امت کی انتہائی مقتدر اور اصحابِ فضل وکمال شخصیات ہیں؛ اس لیے مختلف مسالک کے متبعین نے انھیں اپنے مسلک کا حامی بتانے کی کوشش کی اور ایک ایک شخصیت کا بیک وقت کئی ائمہ کی طرف انتساب نقل کر دیا گیا؛ چنانچہ تاج سبکیؒ نے امام بخاریؒ کو ''طبقات الشافعیہ'' میں شافعی قرار دیا۔ ابوداؤد اور نسائی کے سلسلے میں بھی یہی موقف اختیار کرتے ہوئے انھیں بھی شوافع کی فہرست میں شامل کرلیا؛ جب کہ حافظ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں بخاری، مسلم اور ابوداؤد کو حنبلی قرار دیا ہے۔ ابن ابی یعلیٰؒ نے بھی ان تینوں حضرات کو ''طبقات الحنابلہ'' میں اہمیت کے ساتھ جگہ دی ہے۔ اس طرح ہمیں ان حضرات کے سلسلے میں عجیب کشاکشی نظر آتی ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وهذا كله عندي تخرّص وتكلم من غير برهان، فلو كان أحد من هؤلاء شافعيا أو حنبليا لا طبق العلماء على نقله، ولَمَا اختلفوا هذا الاختلاف، كما قد أطبقوا على كون الطحاوي حنفيًّا، والبيهقي شافعيًّا، وعياضٍ مالكيًّا، وابن الجوزي حنبلياً، سوى الإمام ابي داود فإنه قد تفقه على الإمام أحمد، ومسائله عن أحمد بن حنبل معروفة مطبوعة، وذكره الشيرازي في ”طبقات الفقهاء“ من أصحابه، ولو كان في الأئمة الستة المذكورين أحدٌ شافعيًا لَصاحَ به الحافظان: الذهبى وابن حجر“ (الإمام ابن ماجه وكتابه السنن ص ١٢٦)

''میرے نزدیک یہ سب محض اٹکل اور بے دلیل باتیں ہیں، اگر ان ارباب صحاح میں ایک بھی شافعی یا حنبلی ہوتے، تو علما، اس کی نقل پر متفق ہوتے اور اس طرح کا اختلاف بالکل نہیں ہوتا؛ چنانچہ علما، طحاوی کے حنفی، بیہقی کے شافعی، عیاض کے مالکی اور ابن الجوزی کے حنبلی ہونے پر متفق ہیں؛ البتہ امام ابوداؤد کا معاملہ قدرے مختلف ہے، جنھوں نے امام احمدؒ سے فقہ حاصل کی اور امام احمد سے ابوداؤد نے جو مسائل نقل کیے ہیں، وہ مشہور اور مطبوع ہیں۔ شیرازیؒ نے بھی اپنے اصحاب کے ''طبقاتِ فقہاء'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اگر ان مذکورہ ائمہ ستہ میں ایک بھی شافعی ہوتے تو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر، اس کا خوب زور وشور سے تذکرہ ضرور کرتے۔''